

# اقتساب قتل یوم الحساب

غنی الاکرم سبزواری



# اختساب قبل یوم الحساب

224855  
DATA ENTERED

غنی الاکرم سبزواری

ایم۔ اے۔ اقتصادیات (کراچی)، ایم۔ اے۔ علم الکتب داری و معلومات (میچگن)،  
پی۔ ایچ۔ ڈی (امریکہ)

M.A. Eco., (Kar); MALS (Mich), Ph.D. (CA), USA

لابریری پر و موشن بیورو

کراچی

۲۰۰۵

جملہ حقوق محفوظ بحق ناشر و مصنف

297-7

قیمت: مبلغ ۵۰ روپے

غ 70

US\$5.00

لابریری پروموشن بیورو

۱۲۶۵۱۵

کراچی یونیورسٹی کیمپس، پوسٹ بکس ۸۴۲۱، کراچی۔ ۷۵۲۰

طلب فرمائیں:

۱۲۳۹/۹۔ دستگیر سوسائٹی، فیڈرل بی، کراچی، پاکستان

فون و فیکس: ۱۹۵۹-۶۳۲-۱/ایمیل gsabzwari@hotmail.com

### USA & CANADA

4213 Heritage Way Dr., Fort Worth, TX 76137, USA

Phone: (817)306-0004

19 Decatur Place, Whitby, ON, L1R3R1, Canada

Cell Phone: (416)587-4635

2298 Lenox Place, Santa Clara, CA 95054, USA

Phone: (408)486-9747



کیٹلاگی اندراج:

سبز واری، غنی الاکرم، ۱۹۳۵۔

احتساب قبل یوم الحساب۔ کراچی: لابریری پروموشن بیورو ۲۰۰۵ء

۱۔ احتساب ۲۔ آخرت ۳۔ قیامت ۴۔ یوم الحساب

ISBN 969-459-029-9 297.5 ڈیوی



طابع: محمد علی اللہ عثمانی  
مطبع: ٹیکنیکل پرنٹرز، پلاٹ 17-WSA، بلاک 14، فیڈرل بی ایریا، کراچی-75950

## حرفِ آغاز و التماس

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ انسان کی زندگی دنیا میں ایک پانی کے بلبلے کی طرح ہے۔ جو کسی وقت بھی بکھر سکتا ہے۔ وہ اپنے ظاہری اختیار، اقتدار، مالی وسائل، قابلیت کے بل بوتے پر زمین آسمان کے فلابے ملاتا رہتا ہے۔ بڑے بڑے عزائم اور منصوبے بنا تا رہتا ہے۔ اس زعم میں بعض خود کو مقتدر اعلیٰ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول میں حق و ناحق کو خاطر میں نہیں لاتے اور من مانی کرتے ہیں۔ ان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ کوئی ان سے بھی بڑی عظیم قوت ہے جس نے ان کو یہ مقام اور یہ قدرت عطا کی ہے کہ جو ان کو چشم زدن میں ڈھیر کر سکتی ہے۔ ہم نے تاریخ انسانی میں دیکھا کہ بڑے بڑے فرعون صفت لوگ آئے جنہوں نے خدائی کا یا حاکم اعلیٰ کا دعویٰ کیا اور جب وہ حد سے بڑھے تو خالق کائنات نے ان کے زعم اور غرور کو مٹی میں ملا دیا۔ دنیا میں تو وہ ذلیل و رسوا ہوئے ہی آخرت میں تو بہت ہی دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

انبیاء کرام علیہ السلام کے علاوہ دیگر ایسے افراد بھی آئے جن کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار، دولت اور اعلیٰ علمی صلاحیتوں سے نوازا انہوں نے ان اعزازات کو نعمتِ خداوندی سمجھا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے دنیا میں عدل و انصاف کو برقرار رکھا اور اپنی علمی اور فکری صلاحیتوں سے مخلوقِ خدا کو فیض پہنچایا۔ دنیا کی تاریخ

میں ان کو اچھی اور قابلِ قدر شخصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں ہمیشہ ان کو یاد رکھا جائے گا اور ان کے لئے دعائے خیر کی جاتی رہے گی۔ بلاشبہ ان کو پروردگارِ عالم آخرت میں اپنے بیش بہا انعامات اور فیوض سے نوازیں گے۔

ہمیں اپنے ہم مذہب احباب کے مسائل حل کرنے میں اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہئے۔ اپنے لئے تو ہر شخص تگ و دو کرتا ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے گھر، معاشرہ اور ملک کے لئے ایسی خدمات انجام دیں کہ جس سے ایک صالح معاشرہ تشکیل پائے۔ موجودہ اور آئندہ نسلیں اس سے فیضیاب ہوں اور ثوابِ جاریہ کے مستحق ہوں۔ اس طور اگر ہمارے تمام مسلمان بھائی اور بہنیں غور و فکر کریں تو ہمارے دکھی معاشرہ کے دکھ درد میں کمی ہو سکتی ہے اور وہ رضائے الہی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمیں ایک دن اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے لہذا مسلسل اپنے اعمال کا خود احتساب کرتے رہیں اور اپنی اصلاح کرتے رہیں تاکہ یوم الحساب اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکیں اور سرخرو ہوں۔

یہ مختصر سا کتابچہ حالاتِ حاضرہ سے متاثر ہو کر لکھنے کی جسارت کی ہے۔ میں نہ کوئی عالمِ دین ہوں اور نہ ہی کوئی دانشور۔ بس ایک عام مسلمان ہوں۔ ہر شخص اپنے طور پر موجودہ مسائل، خرابیوں اور پریشانیوں پر غور و فکر کرتا ہے اور اس کی عقل میں ان کا کوئی حل آتا ہے تو وہ اسکو یا تو اپنے احباب کے گوش گزار کرتا ہے، یا کسی اخبار یا رسالہ کو بھیجتا ہے یا حکومت کے کسی ذمہ دار عہدہ دار کے سامنے پیش کرتا ہے اپنی بساط



کے مطابق کوشش کرتا ہے کہ معاشرہ کی خرابیوں کا سدباب کیا جائے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں اور انعامات کا اقرار اور شکر ادا کرنا چاہئے جس نے ہمیں اس دنیاوی زندگی میں اپنے فضل و کرم سے بھرپور نوازا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے“۔ (سورۃ الرحمن)۔ انسان خطاؤں کا پتلا ہے ہم سے بے شمار سہو اور لغزشیں ہوئیں اور جب بھی احساس ہوا فوراً بارگاہِ ایزدی میں سر بسجود ہوئے اور توبہ استغفار کی۔ اس کتابچہ کی تیاری میں میری اہلیہ نے بہت مدد، تعاون اور رہنمائی کی۔ وہ ماشا اللہ عربی جانتی ہیں۔ انھوں نے جامعہ ام القریٰ، مکہ مکرمہ میں عربی زبان کی تعلیم حاصل کی ہے۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ کے حوالوں میں انھوں نے میری مدد فرمائی۔ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ ان کے تعاون کے باعث میں اپنے خیالات اور احساسات کو مرتب کرنے اور پیش کرنے کے قابل ہوا۔ بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ہم دونوں کو ہماری دانستہ و نادانستہ خطاؤں پر معاف فرمائیں اور جو مختصر زندگی باقی رہ گئی ہے اس میں احکام الہی اور سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

غنی الاکرم سبزواری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ۲۔ شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

الحمد للہ رب العالمین والصلاة والسلام علی رسولہ الکریم۔ اس دنیا میں اللہ کی مخلوق، انسان، حیوان، چرند اور پرند ہر طرف نظر آتے ہیں۔ سورج، چاند اور ستارے روز و شب اپنے مدار پر رواں دواں ہیں (سورۃ یسن، ۳۷-۴۰)۔ دریا، جھیلیں، سمندر بھی موجزن ہیں۔ نباتات، جمادات، مدنیات، زمین اور آسمان بھی تاحد نظر موجود ہیں۔ آخر یہ سب کیوں اور کس لئے تخلیق کئے گئے ہیں؟ انسان کو ان تمام مخلوقات میں عقل و شعور عطا کیا اور تمام مخلوقات کو اس کے تابع کیا جس سے وہ اپنی حاجات پوری کرتا ہے لیکن اس کو اپنی حاجات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کچھ اصول، کچھ ہدایات اور ضابطہ زندگی بھی عطا کیا۔ انسان کو دنیا میں قطعی آزاد اور بے لگام نہیں چھوڑا۔ اسے دنیا میں عدل و انصاف کے ساتھ زندگی گزارنے کا مکلف کیا۔ اسے یہ باور کرایا گیا کہ وہ اس زمین پر جو کچھ بھی کرے گا اس کا حساب دینا ہوگا۔ ”جزا اور کافی انعام تمہارے رب کی طرف سے اُس نہایت مہربان خدا کی طرف سے جو زمین اور آسمان کا اور انکے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے جس کے سامنے کسی کو بولنے کا یارا نہیں۔ جس روز رُوح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا سوائے اُس کے جسے رحمن اجازت دے اور جو ٹھیک بات کہے۔ وہ دن برحق ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف پلٹنے کا راستہ اختیار کرے۔ ہم نے تم لوگوں کو اُس عذاب سے ڈرایا ہے جو قریب آ لگا ہے۔ جس روز آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس

کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر پکار اٹھے گا کہ کاش میں خاک ہوتا“ (سورۃ  
النبا، ۳۶-۴۰، تفہیم القرآن، جلد ۶، ص ۲۳۱-۲۳۲)

حضرت آدم علیہ السلام کو بی بی حوا کے ساتھ زمین پر بھیجا۔ اس پر تمام مذاہب کے  
افراد کا اتفاق ہے۔ انہیں دنیا میں رہنے کے اصول اور ضوابط سے روشناس کرایا۔  
حضرت آدم نے اپنی اولاد کو اصول اور طریق زندگی سے متعارف کرایا۔ ان کے بعد  
جتنے بھی پیغمبر آئے وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات وقت کے تقاضوں کے مطابق پہنچاتے  
رہے۔ لیکن انسانوں میں خیر اور شر دونوں خصوصیات ہونے کے باعث دنیا میں خیر اور  
شر دونوں ہی پروان چڑھتے رہے۔ ان میں توازن برقرار رکھنے کے لئے ایک نظام  
معاشرت اور حکومت ترتیب دینے کے اصول بھی خالق کائنات کی طرف سے تجویز  
کئے گئے۔ جو آسمانی کتابوں کے ذریعے پہنچائے گئے۔ ”اے ایمان والو اللہ کے حکم پر  
چلو اور رسول کے حکم پر چلو اور اپنے اعمال ضائع مت کرو“ (سورۃ محمد ۳۳) ان میں  
واضح طور پر عدل و انصاف قائم کرنے، ظالم سے مظلوم کو بچانے، حقدار کو اس کا حق  
دلانے، کمزور اور ضعیف کو سہارا دینے کی واضح ہدایت دی گئیں۔ ”انصاف کرو بیشک  
اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے“ (سورۃ الحجرات ۹) اجتماعی معاملات میں  
حکمران اور حکومت میں شریک افراد کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ وہ عوام الناس میں عدل و  
انصاف کو قائم کریں اور کسی کو زیادتی یا ظلم کرنے کی اجازت نہ دیں اور اگر کوئی  
غیر قانونی حرکت کرے تو اسکو اسکی قرار واقعی سزا دیں۔ ہدایت الہامی میں ان کو متنبہ  
کیا گیا کہ ان کو اپنے کردار اور طریق حکمرانی کا پورا پورا حساب دینا ہوگا۔ ”آج کے

دن کسی پر ظلم نہ ہوگا اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے“ (سورۃ یٰسین ۵۳) ”اور اگر انصاف سے روگردانی کی گئی تو حاکم اور اس کے سارے شریک کار لوگوں کو عبرت ناک سزا بھگتنی ہوگی۔“ (سورۃ البناء ۳۶-۳۹) یہ حساب اس عدالت میں ہوگا جو خالق کائنات خود قائم کرے گا۔ یہ یوم الحساب ہوگا۔ جس میں ہر بنی نوع انسان کے تمام ظاہری اور باطنی اعمال کی باز پرس ہوگی۔ ”آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے منہ پر اور بولیں گے ان کے ہاتھ اور بتلائیں گے ان کے پاؤں جو کچھ کھاتے تھے“ (سورۃ یٰسین ۶۵)

### سپر کمپیوٹر

انفرادی طور پر بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کا علم نہ افراد کو ہوتا ہے اور نہ ہی حکومت کو۔ لیکن اللہ رب العزت نے اس دنیا کے نظم و نسق اور تمام افراد کے ظاہری اور باطنی اعمال پر نظر رکھنے کا ایسا سپر کمپیوٹر نصب کیا ہوا ہے جس میں تمام حرکات اور اعمال کا ریکارڈ مرتب ہو رہا ہے۔ اس حقیقت سے مسلمان ہی نہیں تمام مذاہب کے پیروکار واقف اور آگاہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مذہب کے ماننے والے بھی غفلت کا شکار ہیں اور اس حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ انہیں اس کا احساس اور فکر نہیں کہ ان کے ہر ظاہر اور باطنی افعال اور اقوال کو محفوظ کیا جا رہا ہے جو یوم الحساب ان کے روبرو پیش ہوگا اور سخت باز پرس ہوگی۔ ”اور جب (آدمی کے قول و عمل کو) پالینے والے دونوں (فرشتے اس کے قول و عمل کو) لے لیتے ہیں جو کہ دائیں اور بائیں (دونوں طرف) بیٹھے رہتے ہیں، آدمی کوئی بات منہ سے نکالنے بھی نہیں پاتا کہ ایک

تاک لگائے رکھنے والا فرشتہ اس کو لینے کو تیار بیٹھا ہوتا ہے“ (سورۃ ق- ۱۸-۱۷، تفسیر مظہری۔ جلد ۱ ص ۷۵)

دراصل اکثر کا عقیدہ ضعیف ہے وہ بد عملی کے مرتکب ہوتے ہوئے بھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ان کا خالق ان کو دیکھ رہا ہے۔ بہت سوں کو تو یہ یقین ہی نہیں ہوتا کہ واقعی اللہ ان کو دیکھ رہا ہے۔ جو مذہب کو نہیں مانتے انکو تو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن جو مذہب کے قائل ہیں ان کو تو یہ سوچنا چاہئے کہ آج اس ترقی یافتہ دور میں ایسا نظام دفتروں، کارخانوں، بڑے شاپنگ سنٹروں اور ایرپورٹس پر قائم ہے جس کے ذریعہ تمام افراد جو وہاں موجود ہیں ان پر نظر رکھی جاتی ہے۔ اگر کوئی ناروا حرکت کرتا ہے تو فوراً اس کو پکڑ لیا جاتا ہے اور اسکے ثبوت کے لئے فلم بھی موجود ہوتی ہے۔ اب ترقی یافتہ اقوام سیٹلائٹ کے ذریعہ تمام دنیا پر نظر رکھتی ہیں۔ زمین پر پڑی ہوئی سوئی کی بھی تصویر لی جاسکتی ہے۔ دشمن اور دوست دونوں کی جاسوسی آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ جب انسان اپنے وسائل سے تمام دنیا پر نظر رکھ سکتا ہے تو پھر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے کس طرح اپنے ظاہری یا باطنی اعمال کو چھپا سکتا ہے۔ لہذا اس حقیقت پر کلی طور پر یقین کر لینا چاہئے کہ ”اللہ ہر جگہ موجود ہے اور اس کے مقرر کردہ کاتب (فرشتے) ہر شخص کی حرکات اور اعمال کو ضبط تحریر میں لارہے ہیں۔“ (سورۃ الحاقہ، ۱۸-۲۰)

مجھے اسکا احساس اکثر ہوتا رہا کہ اپنے رب اور نبی ﷺ کے احکامات کے مطابق زندگی گزاری جائے لیکن شیطان تو بہر حال مستقل گھیرے ہوئے ہے کبھی کبھی شعوری

اور غیر شعوری طور پر خطائیں سرزد ہوتی رہیں۔ جس پر ندامت بھی ہوتی رہی اور اللہ  
 تعالیٰ سے معافی اور استغفار بھی کرتا رہا اور اصلاحِ حال کی کوشش کرتا رہا۔ معاً خیال آیا  
 کیوں نہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں کو شمار کیا جائے اور ان کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے تاکہ  
 اپنا احتساب اور دوسروں کا احساس بیدار کیا جائے، غلطیوں اور خطاؤں سے اجتناب  
 کیا جائے اور یوم الحساب سے پہلے اپنی اصلاح کی جاسکے اور رب العزت کے حضور  
 توبہ و استغفار کر کے اس کی رحمت اور مغفرت کے حصول کی کوشش کی جائے۔ وہ عظیم  
 غفور، رحیم اور کریم معاف اور درگزر کرنے والا ہے۔ جس طرح والدین اپنی اولاد کی  
 خطاؤں کو معافی مانگنے پر معاف کر دیتے ہیں اسی طرح رب کریم بھی اپنے بندوں کی  
 معذرت پر معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے والدین سے بھی زیادہ  
 محبت کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہم اپنے رب العالمین سے اس کی رحمت، محبت اور مغفرت  
 اسی دنیا میں سفرِ آخرت سے قبل حاصل کر لیں۔

## ۳۔ گھریلو زندگی

### والدین:

دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مہربان اور شفیق والدین ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اولاد کی پرورش اور نگہداشت پر بھرپور توجہ دیتے ہیں۔ والد محنت و مزدوری کر کے لوازمات زندگی کے لئے مالی وسائل فراہم کرتے ہیں اور والدہ بچوں اور شوہر کے لئے کھانے پینے، آرام و آسائش کی سہولت فراہم کرتی ہیں۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں دونوں کسی قسم کا بخل اور تنگدلی اختیار نہیں کرتے۔

گھر والدین اور بچوں کے ساتھ جنت نذر ہوتا ہے۔ والدین اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرنے میں ناقابل بیان خوشی اور فرحت محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح بچے اپنے والدین کی قربت کو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت تصور کرتے ہیں۔ گھر کا ماحول خوش گوار والدین اور بچوں کے باہمی تعاون پر منحصر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تلخی یا بد مزگی ہو بھی جاتی ہے۔ والدین کو دانشمندی اور حکمت سے معاملات کو سنبھالنا چاہئے۔ اکثر بھائی بہنوں میں اختلاف یا تکرار ہو جاتا ہے والدین کو مصالحت کرانے میں حق و انصاف کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ والدین بسا اوقات اپنے بچوں میں تھوڑا سا فرق یا امتیاز اختیار کرتے ہیں۔ بعض گھروں میں بڑے بیٹے کو ہر معاملہ میں ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً اچھا کھانا یا اچھے کپڑے یا زیادہ جیب خرچ وغیرہ بڑے بیٹے کو دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔

بیٹیوں کو روکھا سوکھا کھانا، کپڑے معمولی اور دیگر حاجات بھی بیٹوں کے مقابلہ میں کم تر فراہم کی جاتی ہیں۔ یہ سراسر غیر مناسب ہے۔ گو بیٹیاں احتجاج نہیں کرتیں لیکن وہ دل برداشتہ ضرور ہوتی ہیں۔ ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم کو حقیر اور کم تر تصور کیا جاتا ہے۔ بچیوں کی دلجوئی کرنا چاہئے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کی لڑکیاں تو پرانے گھر جانے والی ہیں اور ان کو بھی جب ہوش آتا ہے تو وہ بھی یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ ہم تو گھر میں مہمان ہیں نہ معلوم کب کسی کے ساتھ چلتا کر دیا جائے۔ والدین یہ سلوک غیر شعوری طور پر کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو اولاد کے ساتھ مساوی برتاؤ کی ہدایت کی ہے۔ حضور ﷺ نے لڑکیوں کی اچھی پرورش کرنے والوں کو زیادہ اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔

## بھائی و بہن:

بھائیوں کو تو بہنوں کی ہمیشہ دلجوئی کرنا چاہئے اور ان سے اگر کوئی سہو ہو بھی جائے تو اسکو نظر انداز کر دینا چاہئے۔ ہمارے گھرانوں میں تو بہنیں بھائیوں پر ہمیشہ فدا ہوتی رہتی ہیں۔ ان میں صبر اور ایثار کا جذبہ بھائیوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے۔ والدین کی خدمت میں تو وہ انتہا درجہ پر ہوتی ہیں۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا بیٹیوں کے ساتھ برتاؤ مثالی رہا ہے والدین اور بھائیوں کو ان کی سنت کو مد نظر رکھنا چاہئے۔ والدین، بھائی اور بہن کے آپس کے حسن سلوک، شفقت، محبت، ایثار پر اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور اس گھر کو اپنی رحمت اور برکت سے نوازتے ہیں اور آخرت میں یقیناً اجر و ثواب سے بھی خوب نوازیں گے۔



## میاں بیوی:

میاں بیوی میں بھی کبھی کبھی چپقلش ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں شوہر کو زیادہ صبر اور تدبیر سے کام لینا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے بیوی کی خواہشات کو احترام کرنا چاہئے۔ کیونکہ بیوی کو بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ میں عورت ہوں اس وجہ سے مجھے کم تر یا حقیر سمجھا جا رہا ہے۔ شوہر کو یقین دہانی کرانا چاہئے کہ وہ گھر کی مالکن ہے اور پورا نظام اسی کی مرضی کے مطابق چلنا ہے۔ کبھی شوہر سے اور کبھی بیوی سے زیادتی ہو سکتی ہے تو دونوں ہی کو کچھ وقفہ کے بعد مصالحت کر لینا چاہئے۔ اگر خدا نخواستہ معاملہ سنگین ہو جائے تو اپنے قریبی بزرگوں سے مصالحت کے لئے رجوع کرنا چاہئے۔ بعض ہمارے جدید مغربی تہذیب کے دلدادہ فوراً علیحدگی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ تباہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اگر بچے ہیں تو پھر صورت حال بہت ہی خطرناک ہو سکتی ہے۔ پھر جھگڑے کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جس سے شوہر اور بیوی دونوں کا ذہنی اور قلبی سکون ہمیشہ کے لئے غارت ہو جائے گا۔ اختلاف رائے کی صورت میں دونوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور یہ جان لینا چاہئے کہ دونوں کو ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور وہاں جو فیصلہ ہوگا وہ بہت شدید ہوگا۔ لہذا معاملات کو اسی دنیا میں صبر اور استقامت کے ساتھ حل کر لینا چاہئے۔ اگر کسی فریق کی مصالحت میں حق تلفی ہو بھی گئی ہو تو اسکو صبر سے کام لینا چاہئے۔ ”اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“ (سورۃ آل عمران ۱۳۶) ”الصبر ضیاء“ صبر روشنی ہے (حدیث شریف) اسکا اجر یوم الحساب بہت ہی فرحت بخش میسر ہوگا۔

ہمارے جدید ذہن کے گھرانوں میں یہ ایک عام روش ہے کہ مائیں اپنے بچے کو خود اپنا دودھ نہیں پلاتیں۔ بازاری دودھ پلاتی ہیں جبکہ ماں کے دودھ سے بہتر کوئی دودھ نہیں ہوتا۔ یورپ اور مغربی تہذیب کی نقل کرنے والے جانتے ہیں کہ وہاں بھی ڈاکٹر اور ماہر غذایات یہی کہتے ہیں کہ بچے کے لئے ماں کا دودھ سب سے بہتر ہے۔ ایک امریکی ماہر نفسیات نے ایک تقریر میں کہا کہ ”جو بچے جانور کا دودھ پیتے ہیں ان میں انسانی نہیں حیوانی جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج نئی نسل میں انسانی قدریں معدوم ہیں اور حیوانی خصوصیات زیادہ پائی جاتی ہیں“۔ یوم الحساب ان ماؤں سے جواب طلب ہوگا کہ بلا کسی طبی عذر کے انہوں نے اپنے بچے کو اپنے دودھ سے کیوں محروم رکھا۔

میں بھی اپنی ازدواجی زندگی میں نشیب و فراز سے دوچار ہوتا رہا ہوں۔ بیگم ٹونک کے نواب خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اس نسبت سے مزاج نوابی ہے۔ کبھی کبھی اختلاف رائے بھی ہوا۔ خفگی بھی ہوئی لیکن مجھ سے زیادہ بیگم نے فراخ دلی اور درگذر کی صورت اختیار کی۔ جس پر بعد میں مجھے پشیمان ہونا پڑتا تھا۔ مجھ سے زیادہ دینی ذہن کی حامل ہیں اور میری کوتاہیوں پر اکثر تنبیہ کرتی رہتی ہیں جسے میں خوش دلی سے قبول کرتا ہوں۔ بس اتنی کسر ہے وہ مزاج اور لطیف ہضم نہیں کر پاتیں۔ بہت سے لطیفے اور چوٹکے ان کے اوپر سے گذر جاتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم اور تربیت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

## بہشتی زیور:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے ملفوظات اور بے شمار کتابیں دینی تعلیم و تربیت پر شائع ہوئی ہیں اور بازار میں دستیاب ہیں۔ ان کی ایک کتاب ”بہشتی زیور“ تو اسلامی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ بچہ کے پیدا ہونے سے لیکر موت تک جو بھی معمولات زندگی پیش آتے ہیں ان کو قرآن شریف، سنت نبوی اور احادیث صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالوں سے بہشتی زیور میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں گھر میں بیوی کو درپیش مسائل، بچوں کی تربیت و پرورش کے اصول، کھانا پکانے کے طریقے، کپڑے سینے، اچار چٹنی بنانے کے طریقے، نماز، روزے، زکوٰۃ، حج، مردے کو غسل دینے، میراث وغیرہ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو روزہ مرہ زندگی کا اس میں بیان نہ کیا گیا ہو۔ یہ ایسی کتاب ہے جو ہر مسلمان کے گھر میں ہونی چاہئے۔ اکثر دین دار گھرانوں میں بیٹی کو شادی میں جہیز میں قرآن پاک کے ساتھ بہشتی زیور بھی دیا جاتا ہے۔

## تربیت اولاد:

بچوں کی پہلی درسگاہ ان کا گھر ہوتا ہے۔ والدین کو ان کی تعلیم و تربیت پر پوری طرح توجہ دینی چاہئے۔ بعض والدین تو خود روپوں کی طرح بچوں کو آزاد اور تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ ان کو انکی شرارتوں پر تنبیہ نہیں کرتے، گھر میں یا دوسروں کے گھر میں توڑ پھوڑ پر سرزنش نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ بچہ کو ڈانٹنے سے اسکی ذہنی صلاحیت پست ہو جاتی ہے حالانکہ ہماری دینی تعلیم میں بچوں کو تخریبی کاموں پر تنبیہ کی

ترغیب دی گئی ہے۔ دوسروں کے گھروں میں تخریب کاری سے اس گھر والوں کی دل آزاری ہوتی ہے جس کی ہمارا دین اجازت نہیں دیتا۔

یہ والدین کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو اسلامی آداب و اخلاق سکھائیں۔ کھانے، پینے، سونے، لباس کے آداب، بھائی و بہن، رشتہ داروں اور قرابت داروں سے محبت، پڑوسیوں کی عزت، اساتذہ کا احترام اور ہم جماعت ساتھیوں سے عمدہ سلوک، برزگوں اور عام لوگوں سے بلا تخصیص صلہ رحمی کے آداب بتائیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ بچے حسن اخلاق اور آداب میں اعلیٰ اسلامی اقدار کے پابند ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اخلاقی تعلیمات اور آدابِ حسنہ ہی کے باعث مسلمانوں نے غیر مسلموں کو متاثر اور مغلوب کیا۔

بچوں میں صفائی اور خوش سلیقگی کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اپنا کام خود کرنے کی ترغیب دینا چاہئے۔ ہمارے دین میں تو صفائی نصف ایمان کہا جاتا ہے۔ بچوں کو اگر نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی عادت ڈالی جائے، دن میں پانچ بار وضو کرنے سے جسمانی صفائی اور کپڑوں کی پاکی کا خیال پیدا ہوگا۔ اپنے کمرے کو اور اس میں سامان کو سلیقے سے ترتیب بھی اچھی عادت سمجھی جائے گی۔ غرض یہ کہ والدین کو اپنے بچوں کو اعلیٰ اخلاق اور نفیس عادات سے آراستہ کرنا چاہئے۔ یعنی وہ جہاں بھی جائیں ان کے اخلاق اور خوش سلیقی سے دیکھنے والے متاثر ہوں اور آپ کی اعلیٰ تربیت کی تعریف کریں۔

بعض گھروں میں بہت سی معمولی حرکتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بچے گھر میں

توڑ پھوڑ کریں، یا پیسے چوری کر لیں، یا پڑوسی کی کوئی چیز غائب کر دیں اس کو برا نہیں سمجھتے۔ اس عادت کو اگر منع نہیں کیا گیا تو یہ عملی زندگی میں بہت ہی خطرناک ہو سکتی ہے۔ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغلی کرنا، دھوکہ دینا وغیرہ بھی عیب تصور نہیں کیا جاتا۔ اس پر بچوں کو تنبیہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن اس ضمن میں یہ عرض ہے کہ ہم خود بھی بعض اوقات غیر شعوری طور بعض حرکتیں ایسی کر جاتے ہیں کہ جو بچے ہم ہی سے سیکھ لیتے ہیں۔ اکثر مرد اور خواتین دوسروں کی خوبیوں کا ذکر کرنے کے ساتھ برائیاں بھی بیان کرتے ہیں۔ بچے جو اپنے گھر میں دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں وہ ہی وہ بھی اپنے ہم جولیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہمیں خود محتاط رہنا چاہئے۔ کسی کی غیبت اور عیب جوئی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ قرآن پاک کی سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”کہ غیبت ایسی ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا“۔ ہم اکثر بے خیالی میں غیبت یا عیب جوئی کر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عادت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پڑوسی:

ہمارے دین میں پڑوسی کے بہت حقوق بتائے گئے ہیں۔ پڑوسی سب سے قریب ہوتا ہے۔ دکھ، درد، بیماری اور کسی قسم کی پریشانی لاحق ہو تو سب سے پہلے پڑوسی پر نظر پڑتی ہے اور وہی فوری طور پر معاون و مددگار ہوتا ہے۔ رشتہ دار اور دوسرے قرابت داروں تک رسائی فوری نہیں ہو سکتی۔ لہذا ہمیں بھی اپنے پڑوسی کے ہر دکھ و درد اور پریشانی میں برابر شریک رہنا چاہئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”جبریل مجھے

پڑوسی کے حقوق کے متعلق اس قدر تاکید فرماتے رہے کہ مجھے خیال ہوا کہ اسے وارث بنا کر چھوڑیں گے“ (مشکوٰۃ شریف)، آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ وہ مومن نہیں ہے جو پیٹ بھر کھالے اور اس کا پڑوسی اس کی بغل میں بھوکا ہو (بیہقی) اسی طرح رشتہ داروں، قرابت داروں اور عام مسلمانوں حتیٰ کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق سے پیش آنے کی ہدایت کی گئی ہے لہذا بچوں کو اخلاق اور آداب کی تعلیم کے ساتھ پڑوسیوں کے حقوق سے آگاہ کرنا چاہئے۔ بچے کم عمری میں جو سیکھ لیتے ہیں وہ پھر زندگی بھر اسکو نہیں بھولتے اور ان پر عمل تادم حیات کرتے ہیں۔

کراماً کا تبین:

بعض ایسی معمولی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں جنہیں ہم اہمیت نہیں دیتے مثلاً کسی بچہ نے کسی ہم جماعت کی کاپی نوٹس نقل کرنے کے لئے بغیر بتائے اٹھالی یا چرائی اور نقل کر کے واپس وہیں رکھ دی جہاں سے لی تھی۔ ہے تو یہ معمولی بات لیکن اس کا شمار بددیانتی میں ہوگا اور اسکا جواب دینا ہوگا۔ اسی طرح بیوی نے شوہر کی جیب سے کچھ پیسے بتائے بغیر نکال لئے اور پوچھنے پر لاعلمی کا اظہار کیا تو یہ بھی ناجائز ہے اسکا مواخذہ ہوگا۔ شوہر نے بیوی کا زیور کسی سخت حاجت کے پیش نظر چپکے سے اڑالیا اور اسے بیچ کر اپنا کام کر لیا، یہ بھی گناہ ہے۔ غرض جو بھی کام بد نیتی سے کیا جائے اور جس سے دوسرے کی ناحق دل آزاری ہو اسکی سزا ملے گی۔ اگر ہمارے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ ہم جو بھی نیک یا برا کام کر رہے ہیں اللہ سے دیکھ رہا ہے اور دو فرشتے جو ہمارے اعمال کو قلم بند کر رہے ان سے ہمارا کوئی بھی عمل مخفی نہیں تو پھر ہم کوئی غلط کام

نہیں کریں گے۔ لہذا ہمیں روزانہ سوتے وقت پورے دن کا احتساب کرنا چاہئے کہ ہم سے کون سی ناجائز حرکت ہوئی ہے اور اس کے ازالے کی تدبیر کرنا چاہئے تاکہ اسی دنیا میں حساب صاف ہو جائے۔

### ایک دینی مدرسہ:

بچپن میں مجھے ایک مدرسے میں دینی تعلیم کے لئے داخل کیا گیا۔ مدرسہ میں کافی بچے قرآن پڑھنے اور حفظ کرنے کے لئے آتے تھے۔ بہت بڑے ہال میں سب بچے کئی قطاروں میں بیٹھتے تھے حافظ صاحب سب بچوں کو تنہا پڑھاتے اور سنتے تھے۔ انہوں نے بانس کی لمبی لمبی چھڑیاں بنا رکھی تھیں۔ وہ بچوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ جو بچے شرارت کرتے ان پر وہ پندرہ، بیس گز دور سے لمبی چھڑی برساتے تھے۔ غالباً تیسرا یا چوتھا دن تھا کہ مولانا صاحب نے کچھ بچوں کو شرارت کرتے دیکھا اور ایک لمبا بانس ان کے سر پر دے مارا۔ ایک بچے کے سر پر شدید چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ میں قریب ہی بیٹھا تھا مجھے بڑا خوف اور ڈر لگا اور میں اپنا قاعدہ بغل میں دبا کر بھاگا اور گھر پہنچ کر دم لیا۔ والدہ نے بہت کہا مدرسہ جاؤ لیکن میں نے قطعی طور پر جانے سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں گھر پر ہی ایک مولانا صاحب کا مجھے اور بڑی ہمشیرہ کو پڑھانے انتظام کیا گیا۔

### ایک اسکول:

اس کے بعد اسکول میں داخل کیا گیا۔ وہاں پہلی جماعت میں ایک ہندو استاد تھے۔ وہ بچوں کی پٹائی خوب کرتے تھے اور گندی گالیاں بھی دیا کرتے تھے۔ ایک دن

انہوں نے مجھے بھی گندی گالی دی۔ میں نے کہا استاد جی آپ پٹائی کر سکتے ہیں لیکن  
 گندی گالی مت دیجئے اس پر انہوں نے میری اور پٹائی کی اور گالیاں بھی دیں۔ یہاں  
 بھی میں بہت خوف زدہ ہوا۔ گھر جا کر بتایا تو سب نے کہا کوئی بات نہیں اسکول جاتے  
 رہو۔ اگلے دن شرارت کسی اور بچے نے کی لیکن استاد صاحب نے پٹائی میری کر دی  
 اور پھر گالیاں بھی دیں۔ میں نے گھر جا کر پھر بتایا کہ میں اسکول نہیں جاؤں گا۔ مجھے  
 گندی گالیاں بری لگتی ہیں۔ لیکن گھر والوں نے پھر یہی کہا کوئی بات نہیں استاد کا ادب  
 کرو۔ ہمارے گھر میں کوئی مرد ایسا نہیں تھا جو استاد صاحب سے جا کر کچھ کہتا۔ والد  
 صاحب صبح ہی ریلوے ورکشاپ چلے جاتے اور مغرب کے قریب گھر آتے۔ والدہ  
 گھر سے باہر قدم نہیں رکھتی تھیں کیونکہ اس زمانے میں عورت کا گھر سے باہر نکلنا بہت  
 معیوب سمجھا جاتا تھا۔ میں نے اسکول جانا چھوڑ دیا اور راستے میں ایک باغ تھا وہاں  
 بیٹھ جاتا تھا اور جب اسکول کے بچے چھٹی ہونے پر گھر جاتے نظر آتے تو میں بھی گھر  
 آ جاتا۔ اس طرح کئی دن گذر گئے ایک دن ہمارے تایا ابا کی ملازمہ نے مجھے باغ میں  
 بیٹھے دیکھ لیا اور اس نے ہماری والدہ صاحبہ کو بتا دیا کہ اکرم آج باغ میں بیٹھا تھا شاید  
 اسکول نہیں گیا۔ والدہ صاحبہ نے مجھ سے پوچھا تو میں نے جھوٹ کہا کہ میں تو اسکول  
 گیا تھا۔ والدہ صاحبہ نے کہا ملازمہ نے تمہیں باغ میں بیٹھے دیکھا ہے۔ میں نے پھر  
 بھی انکار کیا۔ انہوں نے ملازمہ کو بلوایا اور اس کے سامنے پھر مجھ سے پوچھا۔ میں نے  
 کہا نہیں اسکو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ اس نے کہا تم دو اور بچوں کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیل  
 رہے تھے اب تو قلعی کھل گئی میں خاموش ہو گیا اور وجہ وہی بتائی کہ میں استاد صاحب کی



گالیوں اور پٹائی سے خوف زدہ ہوں۔ میں اس اسکول میں نہیں پڑھوں گا۔ والدہ صاحبہ نے میری خوب دھنائی کی اور شام کو والد صاحب کو بھی بتا دیا۔ والد صاحب نے ایک لکڑی اٹھا کر مجھے خوب دھنک دیا۔ تایا ابا کو پتا چلا تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور مجھے بچایا۔ آخر مجھ سے اقرار کرایا گیا کہ میں آئندہ اسکول سے نہیں بھاگوں گا۔ میں یہی کہتا رہا کہ استاد صاحب کو کوئی اتنا کہہ دے کہ وہ گالیاں نہ دیا کریں۔ آخر اگلے دن میرے تایا ابا میرے ساتھ اسکول گئے۔ میں تو کلاس میں چلا گیا وہ استاد صاحب کو باہر لے گئے اور ان سے کچھ بات کی۔ پھر استاد صاحب نے گالیاں دینا بند کر دیں اس طرح پوری کلاس کو عافیت نصیب ہوئی۔ اس پٹائی کا اثر ایسا ہوا کہ پھر کبھی ایم۔ اے تک میں کلاس سے غائب نہیں ہوا۔

### عظمتِ استاد:

استاد کا بچہ کی تعلیم اور تربیت میں بڑا اہم کردار ہے۔ وہ بچہ کو اپنے درس اور تربیت سے ایک اچھا، با کردار، محب وطن، خوش اخلاق شہری اور مستقبل کا قابل تقلید رہنما اور قائد بنانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اچھے استاد صرف مطلوبہ مضمون درسی کتب کی مدد سے پڑھانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ اچھے کردار کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ تدریس کو دینی اور دنیاوی اعتبار سے ایک بہت ہی متبرک اور مستحسن عمل گردانتے ہیں۔ وہ تعلیم و تدریس صرف اسکول کی حد تک محدود نہیں رکھتے بلکہ وہ کلاس سے باہر اور اپنے گھر پر بھی طلبا کی مدد کرتے ہیں جس کا کوئی معاوضہ نہ وہ طلبا سے طلب کرتے ہیں اور نہ ہی اسکول سے۔ اسلئے اجر و ثواب کی توقع وہ اپنے رب سے رکھتے ہیں۔ جو

استاد اپنی تدریس کا حق ادا نہیں کرتے وہ دنیا میں تو شاید جواب طلبی سے بچ جائیں  
لیکن یوم الحساب ان کو پورا پورا حساب دینا ہوگا۔

میرے ایک ہندو استاد ایسے بھی تھے جو طلبا کو اپنے گھر پر ہمیشہ خوش آمدید کہتے  
تھے اور امتحانات کے زمانے میں نہ صرف اپنے مضمون کی بلکہ دوسرے مضامین کی بھی  
تیاری میں مدد فرماتے تھے۔ ان کی بیگم سب طلبا کے لئے چائے اور کھانے کا بھی  
اہتمام کرتی تھیں۔ ایسے ہی اردو کالج کے ہمارے فارسی کے استاد عبدالعزیز صاحب  
طلبا کو گھر پر امتحانات کی تیاری میں رہنمائی کیا کرتے تھے اور طلبا کو قلم اور کاغذ بھی فراہم  
کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں تدریس کو عبادت سمجھتا ہوں۔ کسی قوم کے اساتذہ اگر  
تدریس کو اپنی ماہانہ تنخواہ کے پیمانے سے نہ ناپیں اور اسکو دینی اور قومی فریضہ سمجھیں تو  
اس قوم کے افراد اقوام عالم میں اعلیٰ اور عرفی مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے اساتذہ  
دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں گے۔

نقل:

بعض طلبا دوران تعلیم واجب (ہوم ورک) میں ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ وہ محنت  
سے بچنے کے لئے اپنے دوسرے ہم جماعت سے مواد اور معلومات حاصل کر کے  
واجب استاد کو پیش کر دیتے ہیں۔ بعض استاد تو ایسے طلبا کو پکڑ لیتے ہیں لیکن بعض طلبا  
گرفت میں نہیں آتے۔ وہ عارضی طور پر تو استاد کو دھوکہ دے کر نمبر حاصل کر لیتے ہیں  
لیکن اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ یوم الحساب تو ان کو اسکی سزا بھگتنی ہوگی۔  
اسی طرح امتحانات میں نقل کرنا بھی ایک عظیم گناہ ہے۔ جو نقل کر کے پاس ہوتے ہیں

وہ دوہرے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایک تو امتحان میں دھوکہ دینے کے اور دوسرے طلبا کی حق تلفی کے گناہگار ہوئے۔ ایسے طلبا اپنے طور پر تو خوش ہو لیتے ہیں لیکن ان کو جان لینا چاہئے کہ ان کا یہ عمل اللہ تعالیٰ سے تو مخفی نہیں ہے ان سے اسکی جواب طلبی ہوگی۔ وہ ان کئی ہزار طلبا کے گناہگار ہوئے جو اس امتحان میں بیٹھے تھے۔ دراصل آجکل نقل کرنا یا دھوکہ دہی کے کام کرنا عیب تصور نہیں کئے جاتے بلکہ بعض والدین اپنے بچے کی ایسی حرکات کو سراہتے ہیں اور بڑے فخریہ انداز میں احباب میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے والدین بھی ایسی حرکات کے ذمہ دار قرار دئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے وہ غلط کاروں کو ڈھیل دیتا ہے اور پھر زندگی میں ایسی گرفت کرتا ہے کہ کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ اگر دنیا میں اسکی سزا نہ ملی تو آخرت میں تو بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ گناہ یا جرم ظاہری ہو یا باطنی اسکی سزا لازماً ملتی ہے۔ دنیا میں نہیں تو آخرت میں مل کر رہے گی اگر ایسا نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے عادل اور منصف ہونے کا تصور ختم ہو جائے گا۔

## ۴۔ غیر انسانی مخلوق

انسانوں کے علاوہ ہماری دینی تعلیمات میں جانوروں تک سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ وہ بے زبان ہوتے ہیں لیکن تکلیف اور راحت کا احساس ان میں ہوتا ہے۔ جب کسی جانور پر ضرب لگائی جاتی ہے تو تکلیف سے چیختا ہے اور اگر اس پر شفقت کا ہاتھ پھیرا جائے تو اپنے انداز سے شکر یہ ادا کرتا ہے۔ ایک مجلس میں ایک صحابی چینیوں کو مارنے لگے آپ نے منع فرمایا اور کہا جب یہ آپ کو پریشان نہیں کر رہی ہیں تو ان پر خواجواہ ظلم کیوں کرتے ہو۔ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے اس سے بھی رواداری کا سلوک کرو۔ اسی طرح دریا، پہاڑ اور زمین پر خواجواہ دست درازی نہ کی جائے۔ کیونکہ روز حساب وہ بھی شکایت کریں گے کہ بغیر کسی حاجت کے ان پر تصرف کیا گیا۔ مثلاً دریا میں گندگی ڈالی جائے جبکہ اسکا پانی انسان پینے میں استعمال کرتے ہیں۔ پھر پانی میں رہنے والے جانور گندگی سے متاثر ہوں گے۔

زمین پر ناحق خون نہ بہایا جائے یا پہاڑوں پر بدکاری کے اڈے قائم نہ کئے جائیں۔ حضور نے ایک بار فرمایا کہ ”یہ جبل احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں“ یعنی جمادات بھی شعور رکھتے ہیں۔ گھاس، پودوں کو خواجواہ نہ روند جائے، درختوں پر ڈنڈے نہ مارے جائیں اور انہیں بلاوجہ کاٹنا نہ جائے۔ غرض اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر ناحق زیادتی قابل گرفت ہے۔ اسکا خیال ہمیں خود بھی کرنا چاہئے اور اپنے بچوں کو بھی بتانا چاہئے۔

## ۵۔ تعلیم اور تربیتِ اولاد

علم حاصل کرنا ہر انسان پر دینی اور دنیاوی اعتبار سے فرض ہے۔ علم کا منبع اور سرچشمہ تو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ بابا آدم کو جنت ہی میں بنیادی علوم اور فہم و فراست عطا کر دی گئی تھی۔ پھر انبیا کرام کے ذریعہ صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں اور مسلسل ہدایات پہنچائی گئیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ پر جو پہلی وحی مبارکہ نازل ہوئی اس میں پڑھنے ہی پر زور دیا گیا (سورۃ العلق ۱-۵)۔ ہمارے پیارے نبیؐ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ کہہ کر ”رب زدنی علماً“ اے رب میرا علم زیادہ کر، علم کی ترغیب دلائی۔ مسلمانوں اور پورے بنی انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے قرآن مجید عطا کیا گیا۔ رفتہ رفتہ دینی اور دنیاوی علوم میں ترقی ہوتی گئی۔ اب بے شمار علوم ہیں جن میں لوگ مہارت اور تخصص حاصل کر رہے ہیں۔

### عربی زبان:

مناسب تو یہ ہے کہ بچہ کے لئے سب سے پہلے دینی تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ بد قسمتی سے ہمارے یہاں باقاعدہ عربی زبان پڑھانے کا انتظام اسکولوں میں نہیں ہے۔ مسجدوں میں قرآن پاک پڑھانے کا اہتمام ضرور ہے لیکن عربی زبان پڑھانے کا بندوبست نہیں ہے۔ بچے قرآن پاک پڑھ لیتے ہیں حفظ بھی کر لیتے ہیں لیکن زبان نہ جاننے کے باعث قرآن شریف کے معنی اور مطالب سمجھ نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم قرآن پاک طوطے کی طرح رٹ کر پڑھتے رہتے ہیں۔ دینی مدارس میں ضرور اس

کا اہتمام کیا گیا ہے اور وہاں باقاعدہ عربی زبان پڑھائی جاتی ہے اور دیگر دینی علوم بھی سکھائے جاتے ہیں۔ لیکن ان مدارس کی طرف عوام الناس کی توجہ نہیں ہے کیونکہ مدارس کے فارغ التحصیل طلبا کو معقول ملازمت نہیں ملتی۔ وہ کسی مسجد میں امام یا خطیب بن سکتے ہیں۔ جہاں نہ معقول تنخواہ ہوتی ہے اور نہ دیگر ضروری مراعات ملتی ہیں۔

ہمارا ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام سے کل عالم میں معروف ہے۔ لیکن سرکاری طور پر یہاں عربی زبان جو کہ اسلامی تخصص کے لئے لازمی ہے کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ اسی طرح دینی تعلیم پر بھی کوئی خاص توجہ نہیں ہے۔ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب پاکستان بننے کے آثار روشن ہو گئے تو مرحوم آغاں نے قائد اعظم سے کہا تھا کہ پاکستان میں عربی زبان ضرور لازمی قرار دیں اس سے ایک تو نئی نسل کو قرآن اور دین سمجھنے میں آسانی ہوگی دوسرے وہ عرب دنیا سے قریب ہو جائیں گے۔ لیکن افسوس عربی تو کیا اردو زبان کو بھی نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کو عالم وجود میں آئے ہوئے نصف صدی گزر گئی لیکن یہاں ابھی تک اسلام کے فروغ کے لئے کم اور غیر اسلامی اقدار کی پرورش پر خاصہ اہتمام کیا جا رہا ہے۔ روز حساب ہمارے سربراہان حکومت سے بھی باز پرس ہوگی کہ انھوں نے اسلامی زبان عربی اور دینی تعلیم کو کیوں نظر انداز کیا۔

اردو زبان:

اسکول میں بچہ کی تعلیم و تربیت کا انحصار نصابِ تعلیم اور اساتذہ کی کوشش پر ہوتا ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم اپنی نظریاتی اساس کی بنیاد پر نظامِ تعلیم مرتب کرتی ہے۔

پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے اور اس کے دستور کی قراردادِ مقاصد میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اس ملک کا سیاسی، تعلیمی، معاشرتی اور کاروباری نظام قرآن اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہوگا۔ لیکن بد قسمتی سے ہمیں جو نظام ورثہ میں انگریزوں سے ملا تا حال وہ ہی معمولی ترمیم کے ساتھ چل رہا ہے۔ تعلیمی نظام سب سے اہم ہے جس پر آئندہ نسل کی افزائش اور فروغ کا دار و مدار ہوتا ہے۔ تعلیم اگر قومی زبان میں دی جائے تو زیادہ موثر ہوتی ہے۔ ہم اب تک انگریزی زبان کو قومی زبان پر ترجیح دے ہوئے ہیں۔ کتنے ملک ہیں جو انگریزی زبان اپنائے ہوئے ہیں؟ کوریا، جاپان، چین، روس اور بے شمار ملک جہاں ان کی اپنی زبان رائج ہے اور وہ برطانیہ اور امریکہ کہ ہم پلہ ہیں۔ عرب ممالک میں بھی نظامِ تعلیم ان کی اپنی زبان میں ہے۔ وہ انگریزی اور دوسری زبانوں میں مخصوص افراد کو تربیت دلا لیتے ہیں تاکہ بین الاقوامی معاملات میں سہولت ہو۔ اور اپنا داخلی سارا نظام اپنی ہی زبان میں چلاتے ہیں۔ انشاء اللہ ہمارے یہاں بھی قومی زبان کو کبھی نہ کبھی جائز مقام ملے گا۔

### مساجد و آئینہ:

مساجد میں امام یا مؤذن جو مقرر ہوتے ہیں اکثر بہت ہی کسما پرسی کی حالت میں ہوتے ہیں۔ شہروں میں تو کچھ بہتر صورت ہے لیکن دیہاتوں میں تو ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ وہ پابندی سے پانچوں وقت کی نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں پھر بچوں کو قرآن پاک پڑھاتے اور حفظ بھی کراتے ہیں۔ ان کی تنخواہیں برائے نام ہوتی ہیں۔ بعض کو تو محلہ سے دو وقت کا کھانا مختلف گھروں سے باری باری پہنچایا جاتا ہے اور

عیدین پر دو جوڑے کپڑوں کے دے دیئے جاتے ہیں اور وہ بیچارے اسی پر صبر و شکر کے ساتھ خدمت کرتے رہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے لئے کتنی شرم کی بات ہے کہ وہ اپنے امام کو کس درجہ حقیر سمجھتے ہیں اور بے قدری کرتے ہیں جو پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے حضور ان کو ساتھ لیکر پیش ہوتا ہے اور ان سب کے لئے دعائے خیر کرتا ہے۔

ایک بہت ہی دردناک واقعہ قابلِ غور و فکر ہے۔ ایک محلہ کی مسجد میں پیش امام صاحب کے لئے کھانے کا انتظام مختلف گھروں سے کیا گیا تھا۔ ان کی تنخواہ مقرر نہیں تھی۔ صبح اور شام مقرر کردہ گھروں سے ان کو کھانا پہنچایا جاتا تھا۔ اسی پر ان کی بسر اوقات تھی۔ ایک رات میرے تایا ابا دیر سے عشا کی نماز کے لیے مسجد گئے۔ سب لوگ جا چکے تھے۔ مسجد میں بجلی نہیں تھی۔ تایا ابا اندر گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ انہیں کچھ آواز سنائی دی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے لیمپ جلایا تو دیکھا امام صاحب کپڑے پر کوئی رکھی ہوئی چیز چھپا رہے ہیں پاس ہی ایک کٹورا بھی پڑا تھا۔ تایا ابا نے پوچھا حافظ صاحب کیا بات ہے کیا چھپا رہے ہیں ہمیں بھی دکھائیں۔ وہ کہنے لگے کچھ نہیں اور ذرا شرمندہ سے نظر آنے لگے۔ تایا ابا کو تجسس ہوا انہوں نے جب بہت اصرار کیا تو امام صاحب کہنے لگے آج کھانے کی جن کی باری تھی ان کے یہاں سے کھانا نہیں آیا۔ میں روزانہ جو کھانا آتا ہے اس کی بچی ہوئی روٹی رکھ لیتا ہوں۔ جس دن کسی گھر سے کھانا نہیں آتا تو روٹی کو پانی میں بھگو کر کھا لیتا ہوں۔ آج بھی کھانا نہیں آیا تو میں سوکھی روٹی کو پانی میں توڑ کر بھگور ہا ہوں آج یہ ہی کھا لوں گا۔ تایا ابا کو بہت دکھ ہوا وہ ان کو لیکر گھر آئے اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اگلے دن تایا ابا



نے مسجد کے منتظمین کو خوب سخت سست سنایا اور امام صاحب سے کہہ دیا کہ کھانا روزانہ میرے گھر سے آئے گا اگر کبھی وقت پر نہ آئے تو آپ گھر تشریف لے جائیں اور گھر میں بھی ہدایت کر دی کہ حافظ صاحب کو کھانا صبح شام پابندی سے پہنچایا جائے اگر وہ گھر تشریف لائیں تو ان کو کھانا پیش کیا جائے۔ نہ جانے کتنی مساجد میں اب بھی آئمہ کی اسی طرح بے قدری کی جا رہی ہوگی۔ جس معاشرے میں اپنے امام کی تذلیل اور بے قدری ہو اس پر اللہ کا قہر ہی نازل ہوگا۔

یہ ذمہ داری اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کی حکومت کی ہے کہ وہ مساجد، دینی مدارس اور ان کے آئمہ اور اساتذہ کرام کی سرپرستی کریں۔ مساجد کی دیکھ بھال اور مدرسین اور آئمہ کرام کی معقول تنخواہ اور دیگر مراعات جیسے اسکولوں اور جامعات میں دی جاتی ہیں کا اہتمام کریں۔ سعودی عربیہ میں تمام مساجد کی تعمیر اور دیکھ بھال حکومت کے ذمہ داری ہے اور تمام آئمہ اور مدرسین کو تنخواہیں اور دیگر مراعات اسکولوں اور جامعات کے اساتذہ کے مساوی دی جاتی ہیں۔

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا تھا کہ بچہ کی پہلی درسگاہ اس کا گھر ہوتا ہے۔ بچہ گھر سے جو تعلیم اور تربیت حاصل کر کے اسکول جائے گا وہ اس کے عمل سے ہر قدم پر ظاہر ہوگا۔ استاد کی عزت، ہم جماعت ساتھیوں کے ساتھ محبت اور اسکول کے عملہ کے ساتھ حسن سلوک، کلاس میں توجہ کے ساتھ علم حاصل کرنا، کلاس میں اور اسکول میں نظم و ضبط پر قائم رکھنا، تخریبی کاموں سے دور رہنا، کسی کی دل آزاری نہ کرنا، شرارتوں سے گریز کرنا، صحتمند کھیلوں میں حصہ لینا وغیرہ اچھے بچوں کا شعار ہونا چاہئے۔ بچوں کی

تربیت میں والدین اور اساتذہ کو پوری پوری توجہ دینی چاہئے کیونکہ ان کے بچوں کی بد اعمالیاں نہ صرف انکے لئے دنیا میں ذلت اور رسوائی کا سبب بنیں گی بلکہ مرنے کے بعد بھی ان کا وبال نازل ہوتا رہے گا۔ ایک واقعہ اخبار میں آیا تھا کہ ایک ڈاکو کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ جج نے ڈاکو سے پوچھا کہ تم ڈاکے کیوں ڈالتے تھے اس نے کہا میری ماں کو بلاؤ۔ جب اسکی ماں آگئی تو اس نے اسکی زبان کاٹ لی اور کہا کہ میں چوری کر کے گھراتا تھا تو یہ منع نہیں کرتی تھی بلکہ میری ہمت افزائی کرتی تھی اس سے میری ہمت افزائی ہوئی اور میں چوریاں کرتے کرتے ڈاکے ڈالنے لگا۔

تدریس:

اسکول میں نصابِ تعلیم احسن طریقے پر پڑھانے کا سارا دار و مدار اساتذہ پر ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں سرکاری اسکولوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ بعض اساتذہ تدریس کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں اور محنت اور شفقت سے پڑھانے کو رزقِ حلال تصور کرتے ہیں۔ ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے رازق کی خوشنودی کی خاطر اور قوم کے نونہالوں کے مستقبل کو تباہناک بنانے کے لئے خدمت انجام دے رہے ہیں۔ برخلاف اسکے بعض اساتذہ اسکول میں کم، گھر پر ٹیوشن یا کوچنگ سنٹر پر زیادہ توجہ اور محنت سے طلبا کو پڑھاتے ہیں۔ عذر یہ دیا جاتا ہے کہ سرکاری ملازمت کی تنخواہ میں بسراوقات اور گزارا نہیں ہوتا۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے اور حکومت کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ ہمارے ایک عزیز نے بتایا کہ وہ روس پڑھنے گئے تھے وہاں پرائمری اسکول کے اساتذہ کی تنخواہ یونیورسٹی کے اساتذہ کے مساوی ہوتی ہیں۔ واللہ عالم۔

بہر حال اساتذہ کرام کو یہ تصور کرنا چاہئے کہ وہ قوم کے بچوں کے مستقبل کے ذمہ دار ہیں اگر فی الحال مالی تنگی ہے تو اسکا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں ضرور ملے گا ورنہ حساب دینا بہت دشوار ہوگا۔

ابتدائی اسکولوں سے لیکر جامعات تک اساتذہ کرام کی محنت اور کاوش سے ہی ہماری آئندہ نسل اقوامِ عالم میں اعلیٰ یا کم تر مقام حاصل کر سکے گی۔ اساتذہ کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے شعبہ علم میں جدید مواد سے آشنا ہوں اور نئی تحقیقات سے باخبر ہوں۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہو جب وہ اپنے مضمون میں شائع ہونے والے رسائل اور کتب کا مسلسل مطالعہ کرتے رہیں۔ استاد اگر خود محنت کرے تو وہ اپنے طلباء کو بھی اسی نہج پر محنت کرائے گا۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ ہمارے بعض اساتذہ خود بھی نصابی کتب پڑھتے ہیں اور طلباء کو بھی نصاب ہی کی کتاب تک محدود رکھتے ہیں۔ اور یہ صورت حال ہماری اعلیٰ درسگاہوں تک ہے۔ ہم ایک طرح سے Textbook اسکالر پیدا کر رہے ہیں۔

دورانِ تعلیم امریکہ میں مجھے میرے ایک استاد ایک ثانوی اسکول میں لے گئے۔ ہم سیدھے لائبریری گئے۔ ہم وہاں بیٹھے ہی تھے کہ طلباء کا ایک گروپ آ گیا ان کے ساتھ ان کی اُستانی بھی تھیں۔ طلباء کے ہاتھ میں ایک فہرست تھی وہ اس کے مطابق کتب اور رسائل سے نوٹس بنانے لگے۔ اُستانی اور لائبریرین بھی ان کی رہنمائی کر رہی تھیں۔ بچے ایک گھنٹہ لائبریری میں رہے۔ نوٹس لینے کے علاوہ اپنی پسند کی کچھ کتابیں بھی جاری کرا کر لے گئے۔ میرے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ ”ہمارے

نظام تعلیم میں اسکول کی ہر کلاس کو ہفتہ میں ایک گھنٹہ کے لئے لائبریری آنا ہوتا ہے۔ استاد جو موضوع پڑھاتا/ پڑھاتی ہے وہ اس سے متعلق کتابوں اور رسائل کے مضامین کی ایک فہرست طلباء کو دیتے ہیں اور ساتھ ہی واجب (Assignment) بھی دے دیتے ہیں۔ بچوں کو واجب لائبریری میں جا کر فہرست کے مطابق کتب اور رسائل پڑھ کر کرنا ہوتا ہے۔ جو بچہ کتابوں اور رسائل کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ واجب کرتا ہے اسکو اچھے نمبر ملتے ہیں جو پوری توجہ سے محنت نہیں کرتے ان کو نمبر کم ملتے ہیں۔ اگر کوئی بچہ بغیر حوالوں کے واجب دیتا ہے وہ قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ نظام وہاں اسکول سے جامعات تک رائج ہے۔ اب یہ خیال کریں ہمارے طلباء جو صرف ایک کتاب پڑھ کر امتحان پاس کر لیتے ہیں ان کی صلاحیت اور جو کئی کتابیں اور رسائل سے استفادہ کرتے ہیں ان کی قابلیت میں کتنا فرق ہوگا۔ ہم اپنے طلباء کی علمی اور تحقیقی صلاحیت کو اجاگر اسی وقت کر سکتے ہیں جب ہمارے اساتذہ خود مسلسل مطالعہ کریں اور اپنے طلباء کو بھی محنت کا عادی بنائیں۔

ہمارے یہاں سہل پسندی عود کر آئی ہے اب تو نصابی کتب کے علاوہ مختصر گانڈزیا حل شدہ سوالات بازار میں کثرت سے ملتے ہیں بہت سے بچے ان پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ کچھ اساتذہ بھی امتیاز اور تفریق برتتے ہیں۔ کچھ طلباء ایسے ذہین ہوتے ہیں جو امتحان کے بعد محنت کرتے ہیں اور اچھے نمبروں سے پاس بھی ہو جاتے ہیں۔ ہمارا نظام تعلیم اور طرز تدریس اتنا گنجلک ہو گیا ہے کہ اس کے سدھار کی صورت بہت مشکل نظر آتی ہے۔ تحصیل علم اور ترسیل علم دینی اعتبار سے فرض ہے اس میں کوتاہی، بددیانتی

اور امتیاز و تفریق قابلِ گرفت ہے اور طلباء اور اساتذہ دونوں ہی سے روزِ حساب باز پرس ہوگی۔

## English Medium School

آجکل اکثر گھرانوں میں دینی تعلیم اور اخلاقی قدروں کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ ایک عام رجحان یہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کو English Medium School میں تعلیم دلانا فرضِ عین سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں انگریزی میڈیم اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کے بچے انگریز نہ سہی ان جیسے ضرور ہو جائیں گے۔ انگریزی اسکولوں کا حال یہ ہے ان کی بہتات کے باعث اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کا فقدان ہے۔ جو میسر ہیں ان کی صلاحیت ایسی نہیں کہ وہ صحیح انگریزی بول اور لکھ سکیں۔ جو والدین انگریزی جانتے ہیں وہ بچوں کی ابتر تعلیمی صلاحیت پر کڑھتے اور سردھنتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں بچوں کو انگریز، یورپ اور امریکہ کے مشاہیر اور وہاں کے مذہب اور کلچر پر درسی کتب پڑھائی جاتی ہیں۔ ان اسکولوں کے بچے مسلمان غازیوں، صحابہ کرامؓ، خلافت اور شرعی معلومات سے قطعی نابلد ہوتے ہیں۔ یہ بچے جب جوان ہوں گے تو جسمانی اعتبار سے پاکستانی ضرور ہوں گے لیکن ذہنی اعتبار سے انگریز یا امریکن ہوں گے۔

والدین سے اسکا سوال ضرور ہوگا کہ تم نے اپنے بچوں کو عربی زبان اور اسلامی تعلیمات کا اہتمام کہاں تک کیا۔ قرآن مجید میں اور احادیث نبوی ﷺ میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہوگی اور یوم الحساب عربی ہی میں گفتگو ہوگی اور

دینی فرائض کی ادائیگی پر باز پرس ہوگی۔ بہر حال والدین اپنے طور پر گھر میں بچوں کو عربی زبان سے روشناس کرانے کی کوشش کریں کیونکہ عربی زبان جانے بغیر دین کی صحیح فہم نصیب نہیں ہو سکتی۔ دینی کتب وافر تعداد میں فراہم کریں خود بھی پڑھیں اور بچوں کو بھی ان کے پڑھنے کی رغبت دلائیں۔ اس سے ان کو ذہنی اور قلبی سکون میسر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا بھی حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل سے نوازا اور جامعہ ام القری، مکہ مکرمہ میں ملازمت دلا دی۔ وہاں بچوں کی تعلیم کا مسئلہ درپیش ہوا۔ اکثر پاکستانی احباب اپنے بچوں کو جدہ پاکستانی اسکول بھیجتے تھے۔ مجھے بعض نے مشورہ دیا کہ بچوں کو جدہ پاکستانی اسکول میں داخل کرادوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں میاں بیوی کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ ارض مقدس پر ہوتے ہوئے کیوں نہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کا پورا فائدہ اٹھایا جائے اور بچوں کو سعودی اسکول میں داخل کیا جائے جہاں وہ دینی اور دنیاوی دونوں علوم حاصل کر سکیں گے۔ بعض نے کہا کہ عربی نصاب پڑھ کر پاکستان میں کیسے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ ہمیں معلوم تھا کہ مختلف زبانوں میں پڑھے ہوئے بچے برطانیہ، یورپی ملکوں اور امریکہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ کچھ وقت ضرور انگریزی یا دوسری زبان سیکھنے میں لگتا ہے لیکن اگر بچہ اپنی زبان میں مضامین سمجھتا ہے تو وہ دوسری زبان سیکھ کر آسانی سے اعلیٰ تعلیم جاری رکھ سکتا ہے۔ الحمد للہ یہی ہوا۔ ہمارے تینوں بچے عربی نصاب پڑھنے کے بعد امریکہ میں زیر تعلیم رہے اور ماشا اللہ انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ ہمیں بے حد خوشی اور مسرت ہے کہ ہمارے بچے عربی

جانتے ہیں اور عربوں کے ساتھ عربی میں گفتگو کرتے ہیں، قرآن پاک سمجھتے ہیں، عربی زبان سکھانے اور درس قرآن پاک اور حدیث شریف کا اپنے طور پر اہتمام کرتے ہیں۔ ہم بارگاہ رب العزت میں اس احسان اور فضلِ عظیم پر مسلسل سجدہ شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔

## کتب خانے:

طلبا کی علمی صلاحیت اور تحقیقی طریقہ کار کو فروغ دینے کے لئے اسکولوں میں کتب خانوں کا قیام اور استعمال بہت ضروری ہے صرف نصابی کتب پڑھنے اور پڑھانے سے ہمارے طلباء جدید تقاضوں کے اہل نہیں ہو سکتے۔ بعض اسکولوں میں کتب خانے ہیں لیکن وہ طلباء کی دسترس سے باہر ہیں۔ الماریوں میں تالے پڑے ہوتے ہیں۔ اساتذہ جن کو تفریحی لٹریچر پڑھنے کا شوق ہوتا ہے وہ ناول یا افسانے گھر لے جا کر اپنے شوق کی تسکین کر لیتے ہیں۔ کتب خانہ عموماً اساتذہ اور اسکول کے عملہ کے لئے گپ شپ لگانے، چائے پینے اور کھانے وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سرکاری اسکولوں میں نظامتِ تعلیم ہر اسکول کو طلباء اور اساتذہ کی تعداد کے مطابق مالی وسائل فراہم کریں۔ ہر مضمون پر جدید کتب اور رسائل مہیا کریں تاکہ اساتذہ اور طلباء اپنے زیر تدریس مضامین پر جدید معلومات حاصل کر سکیں۔ ایسا کرنے سے نظامتِ تعلیم کے افسران اور اساتذہ کرام کو عظیم اجر و ثواب ملے گا کہ انھوں نے قوم کے نونہالوں کے فروغِ علم کے لئے مواد اور سہولت فراہم کیں۔

## سیاست:

اسکول، طلبا کے علمی فروغ، اخلاقی قدروں اور اعلیٰ کردار کی افزائش کا مرکز اور تربیت گاہ ہوتا ہے۔ اچھے استاد صرف نصابی کتابوں کو پڑھانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ علمی جدوجہد، اخلاقی قدروں کے نکھار اور احسن کردار سازی میں خصوصی دلچسپی سے کام لیتے ہیں۔ بعض اساتذہ اس پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب اسکول کے طلبا اخلاقی قدروں سے عاری ہیں اور اکثر تخریبی کاروائیوں میں ملوث نظر آتے ہیں۔ بد قسمتی سے ہمارے سیاسی لیڈر طلبا کو اپنے مقاصد کے لئے گمراہ کرتے ہیں اور ان کو تخریبی کاروائیوں میں استعمال کرتے ہیں۔ دورانِ تعلیم طلبا کی پوری توجہ صرف تعلیم اور تحقیق تک محدود رہنی چاہئے۔ جو وقت وہ غیر تعلیمی کاموں میں صرف کرتے ہیں وہ ان کے لئے بہت ہی مضر ہے۔ ان کی عمر کا قیمتی وقت جو ضائع ہو گیا وہ واپس نہیں مل سکتا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ان کو اس کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔

میں نے امریکہ میں طلبا کے احتجاج کا انداز بھی دیکھا ہے۔ ایک دن لائبریری سے باہر آیا تو دیکھا کہ چند طلبا بینرس اٹھائے اور مائکروفون پر نعرے لگا رہے ہیں۔ اخبارات اور ٹیلی ویژن کے نمائندے بھی موجود ہیں۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ انھوں نے بینرس زمین پر ڈال دئے اور مائکروفون بھی ایک میز پر رکھ دیا اور چلے گئے۔ اسی دوران چند اور لڑکے آئے انھوں نے بینرس اٹھائے اور مائکروفون بھی اور نعرے لگانے لگے۔ میں نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ یہ کیوں ہوا۔ پہلے طلبا کہاں گئے تو



ایک طالب علم نے کہا ان کی کلاس تھی وہ اپنی کلاس میں چلے گئے اب جو طلبا آئے ہیں ان کی اس وقت کلاس نہیں ہوگی۔ اس نے کہا طلبا اپنی کلاس نہیں چھوڑتے کیونکہ کلاس چھوڑنے سے بہت نقصان ہوتا ہے۔ مجھے احتجاج کا یہ انداز اچھا لگا۔ انہوں نے احتجاج بھی جاری رکھا اور کلاس بھی نہیں چھوڑی جبکہ ہمارے یہاں طلبا سب سے پہلے کلاس کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔ اس سے ان کا اپنا نقصان ہوتا ہے۔ یہ سوچ بہت ہی تباہ کن اور ناقابل تلافی نقصان کا سبب ہوتی ہے۔

ابھی ہمارے طلبا میں شعور پیدا نہیں ہوا۔ اس طرف اساتذہ کو توجہ دلانی چاہئے۔ اساتذہ کرام طلبا میں اگر علم کی قدر، تحقیق کی عظمت، اخلاقی قدروں اور ملی تقاضوں کو اجاگر کریں تو ہم طلبا کو صحیح فکر اور صالح انداز عطا کر سکتے ہیں۔ ایسے اساتذہ دینی اور دنیاوی اعتبار سے ملک اور قوم کے محسن اور خیر خواہ ہوں گے۔

## ۶۔ معاش، کاروبار اور رزقِ حلال

تعلیم حاصل کرنے کے بعد طلبا کسی نہ کسی ملازمت یا کاروبار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اگر ملازمت مل جائے تو ادارہ کے ضابطوں اور اصولوں کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ دفتر کے اوقات کار کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد تساہلی شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً دفتر دیر سے جانا، اوقات کار میں غائب ہو جانا اور اپنے ذاتی کام انجام دینا، کام میں سستی یا ٹال مٹول کرنا عام عادت ہوتی ہے۔ ہمارے دین میں رزقِ حلال پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”اے ایمان والو جو ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے پاک چیزیں کھاؤ“ حدیث شریف میں کہا گیا ہے کہ ”حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔“ وہ گوشت جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام سے بڑھا ہو۔“ حرام مال سے کوئی صدقہ قبول نہیں ہوتا، نماز قبول نہیں ہوتی، برکت نہیں ہوگی“ (مشکوٰۃ شریف) اگر رزق حلال نہیں تو خود اپنی ذات اور بیوی بچوں کی پرورش پر بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یا تو ناگہانی آفات سے دوچار ہوتے ہیں یا بیوی اور بچوں میں گناہوں اور غیر اخلاقی اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی ساری ذمہ داری گھر کے سربراہ پر ہوتی ہے۔

رشوت:

بعض دفاتر میں رشوت کا کاروبار کثرت سے جاری ہے۔ رشوت لینا اب لوگ

اپنا حق تصور کرتے ہیں۔ رشوت دینے والے مجبور ہوتے ہیں اپنا کام کرانے کے لئے ان کو رشوت دینا ہی پڑتی ہے۔ یہ مرض اتنا سنگین ہو گیا ہے کہ اسکا علاج ظاہری طور پر نظر نہیں آتا۔ اس کو صرف اسی طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ سربراہ مملکت خود ایسی مثال قائم کرے کہ جس سے حکومت میں شامل افراد کو غلط کام کرنے کی جرأت نہ ہو۔ یعنی اگر سربراہ مملکت خود دولت سمیٹنے سے گریز کرے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے ملک و قوم کو کوئی مالی یا اقتصادی نقصان ہو تب ہی اس کے نیچے کے لوگ درست ہوں گے۔ قانون کی گرفت مضبوط ہو۔ رشوت لینے والے یا کوئی بھی غیر قانونی کام کرنے والے کو کوئی رعایت نہ دی جائے اور قرار واقعی سزا سے ہرگز اجتناب نہ کیا جائے۔ سب جانتے ہیں کہ ہماری اسلامی ریاست کے سربراہان ملک و قوم کی کس بیدردی سے دولت لوٹتے رہے اور معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔ کسی بھی معاشرہ میں اصلاح اوپر کی سطح سے ہوتی ہے۔ اگر ہیڈ صحیح ہے تو نیچے والے خود بہ خود ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

ایک بادشاہ، غالباً اورنگ زیب عالم گیر، کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ کسی مہم پر جا رہے تھے کہ کھانے کے لئے بیٹھے۔ کھانے میں نمک نہیں تھا۔ انھوں نے نمک طلب کیا۔ ایک درباری دوڑ کر قریبی آبادی میں گیا اور نمک لے آیا۔ بادشاہ نے پوچھا نمک کہاں سے لائے ہو۔ درباری نے کہا یہیں قریب کی آبادی سے لایا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا پیسے دے کر لائے ہو۔ درباری نے کہا نہیں، میں نے دوکاندار سے کہا کہ بادشاہ سلامت کھانے پر بیٹھے ہیں نمک کی ضرورت ہے۔ دوکاندار نے نمک

دیا اور میں لے آیا پیسے نہیں دئے۔ بادشاہ نے کہا ”میں اس وقت کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم اسکو پیسے دے کر نہیں آ جاتے“

## بے روزگاری:

دفاتر میں بہت سی ایسی حرکات سرزد ہوتی ہیں کہ ان کا شمار کرنا اور بیان کرنا خاصہ مشکل ہے۔ ایک عام شکایت یہ بھی ہے کہ عملہ کے انتخاب اور تقرر میں بھی خوب دھاندلی کی جاتی ہے۔ نااہل کا تقرر ہو جاتا ہے اور اہل جو تیاں چٹھاتے در بدر مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔ اس عمل میں بھی رشوت اور سفارش کار فرما ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں بے شمار ہونہار، قابل اور لائق نوجوان بے روزگاری کا شکار ہیں۔ جس کے باعث تخریب کاری، تشدد، چوری، ڈکیتی، قتل وغارتگری بڑھتی جا رہی ہے۔ اس سے ملک میں امن وامان ناپید ہو گیا ہے۔ اس نا انصافی کا انجام بہر حال ہول ناک ہونا ہے۔ اس دنیا میں ظالم، راشی اور غیر منصف افسران کا حشر المناک ہوگا اور آخرت میں بھی جہنم رسید ہوں گے۔ یوں محسوس ہوتا ہے ان افسران کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو گیا ہے کہ سب کچھ دنیا ہی ہے آخرت یا یوم الحساب صرف ڈرانے کے لئے ہے مرنے کے بعد کچھ ہونے والا نہیں۔

## نوجوانوں کا انخلا:

قابل اور اہل نوجوانوں کی بے قدری سے ملک و قوم کو عظیم نقصان سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ یہ نوجوان بیرون ملک ملازمت تلاش کرتے ہیں اور ملازمت مل جانے پر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کی قابلیت اور مہارت سے دوسرے ممالک

فیضیاب ہوتے ہیں اور ہم اپنے ناقبت اندیش افسران کی حماقتوں اور ذاتی خود غرضیوں کے باعث اپنے جگر گوشوں اور قابل سپوتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سعودی عرب، عرب امارات، جرمنی، برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ میں لاکھوں ہمارے نوجوان کام کر رہے ہیں ان ممالک کی معاشی اور صنعتی ترقی میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

### امانت میں خیانت:

عام طور پر دفتر میں کام کرنے والے اسٹیشنری، فرنیچر، ٹیلی فون، سرکاری گاڑی بغیر اجازت ذاتی استعمال میں لاتے ہیں اور اس کو اپنا حق سمجھتے ہیں جو کہ نہیں ہے۔ اسکا بھی جواب طلب ہوگا۔ ہم اگر کسی شخص کو اپنے گھر کی اشیاء کو بغیر اجازت استعمال کرتے دیکھ لیں تو خاصہ گراں گذرتا ہے۔ سرکاری یا غیر سرکاری ادارے کا سامان، اشیاء، ٹیلی فون اور گاڑی وغیرہ عاملین کے پاس بطور امانت ہوتی ہیں ان کو ذاتی استعمال میں اس وقت تک نہیں لانا چاہئے جب تک ان کو استعمال کرنے کی رسمی طور پر اجازت نہ ہو۔ مجھ سے ایسی غیر اخلاقی حرکات سرزد ہوئیں۔ جب مجھے اس کا احساس ہوا تو میں نے اپنے افسرِ بالا سے معذرت کی اور آئندہ کے لئے اجازت طلب کی۔ اس کے بعد حتی الامکان محتاط رہا۔ اور آج تک اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرتا رہتا ہوں۔

غیر سرکاری اداروں میں بھی مندرجہ بالا قسم کی بے اعتدالیاں ہوتی ہیں لیکن ذرا کمی کے ساتھ کیونکہ وہاں مالکان اپنے نفع اور نقصان پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ سرکاری

ملازمت میں تو عالیین کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ملازمت پگی ہے آسانی سے نکالا نہیں جاسکتا لیکن پرائیوٹ اداروں میں تو جرم کرنے پر مجرم کو کھڑے کھڑے نکال دیا جاتا ہے۔ وہاں اکثر کارکن بہت سمجھ بوجھ اور وفاداری سے کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پرائیوٹ اداروں کی کارکردگی سرکاری اداروں کے مقابلے میں بہت بہتر ہوتی ہے۔ پرائیوٹ اداروں میں تنخواہیں اور دیگر مراعات اسی نسبت سے بہتر ہوتی ہیں کہ وہاں کام ٹھوک بجا کر لیا جاتا ہے۔

ہم مسلمانوں کو واضح طور پر قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ میں رزقِ حلال کی تاکید کی گئی ہے۔ یوم الحساب ایک ایک پائی کا حساب دینا ہوگا۔ اگر دفتر کی ایک پن بھی غلط استعمال کی گئی ہے تو اسکا بھی جواب دینا ہوگا۔ عموماً ان معمولی چیزوں کا ہمیں وہم و گمان تک نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں میں اس کا شعور اور احساس بیدار فرمادیں تاکہ ہم عملی زندگی میں معمولی غلطیوں سے اجتناب کر سکیں۔

## ۷۔ معاشرتی معمولاتِ زندگی اور اخلاقی قدریں

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں بعض ایسی خرابیاں عود کر آئی ہیں جن کے باعث اخلاقی اور دینی قدریں پامال ہو رہی ہیں۔ شرم اور حیا، احسان و مروت، فلاح و بہبود کے پیمانے ٹوٹتے پھوٹتے جا رہے ہیں۔ والدین اور بزرگ نوجوان نسل سے شاکی اور مایوس ہوتے جا رہے ہیں۔ جدید ذرائع نشر و اشاعت، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ نے نوجوانوں کے ذہنوں کو خلفشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ والدین کی نافرمانی، بزرگوں کی بے عزتی، اساتذہ کی رسوائی اور افسران کی حکم عدولی عام ہو گئی ہے۔ گھروں کا ماحول ابتر ہو گیا ہے، تعلیمی اداروں میں نظم و ضبط کا فقدان ہے، کارخانوں میں اور فیکٹریوں میں توڑ پھوڑ اور ہڑتالوں کا دور دورہ ہے اور ملک میں امن و امان مفقود اور آئے دن عوام اور حکومت سے سڑکوں پر تصادم عام ہوتا جا رہا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر یوں محسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے قرآن اور احادیث سے منہ موڑ لیا ہے۔

مادر پدر آزاد ہو گئے ہیں۔ قرآن پاک میں اور احادیث نبوی ﷺ میں والدین کی فرماں برداری، بزرگوں کی تعظیم، اساتذہ کی تکریم، افسران کی حکم برداری پر واضح طور پر ہدایات دی گئی ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ تم کہیں بنی اسرائیل کی اور دوسری سابقہ قوموں کی طرح گمراہ مت ہو جانا۔ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا تھا کہ ”میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب چھوڑے جا رہا ہوں اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے“ (صحیح مسلم)۔ ہم نے قرآن کو اور آپ کی ہدایات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اندرونی

خلفشار اور بیرونی خطرات سے دوچار ہیں۔ یہ خیال نہیں ہے کہ رب کائنات ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہمیں اپنی بد اعمالیوں کو حساب دینا ہے اور خطاؤں پر دردناک عذاب بھگتنا ہے۔ ہمیں اپنا احتساب خود کرنا چاہئے اور خطاؤں سے گریز کرنا چاہئے۔

### بے اصولی اور بے صبری:

کچھ ایسی حرکات ہم سے ہوتی ہیں جن کو شمار نہیں کرتے۔ بجلی کا بل جمع کرانا، پوسٹ آفس میں رجسٹری کرانا، بینک میں چیک کیش کرانا، کالج یا یونیورسٹی میں فیس جمع کرانا، ریلوے اسٹیشن پر ٹکٹ لینا، ایرپورٹ پر ایمیگریشن کرانا، بس میں سوار ہونا، ٹریفک سگنل پر ہری لائٹ کا انتظار کرنا وغیرہ کے لئے اکثر صبر و تحمل نہیں کیا جاتا۔ کوشش کی جاتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح خود جلدی سے اپنا کام کر کے چلے جائیں۔ اگر لائن لگی ہوئی ہے تو کسی دفتر کے آدمی سے مل کر اپنا کام جلدی کرالیا، یا لائن کو نظر انداز کر کے زبردستی اندر گھس گئے، یا کسی شخص کو جو بہت آگے لائن میں ہے اسکو اپنے کاغذات دے دئے کہ وہ اپنے کاغذات کے ساتھ آپ کا بھی کام کرادے۔ یہ حرکات قطعی غیر اخلاقی اور قابل گرفت ہیں۔ یہ خیال فرمائیں کہ جو لوگ لائن میں کھڑے ہیں ان کو کس قدر دکھ اور تکلیف ہوگی کہ وہ نظم کو برقرار رکھنے کے لئے صبر و تحمل کیساتھ کھڑے ہیں اور ایک شخص بعد میں آنے کے باوجود غیر اصولی طور پر اپنا کام کرا کر چلا گیا۔ اس غیر اصولی طور پر کام کرانے والا اور کام کر نیوالا دونوں ہی گناہ کے مرتکب ہوئے۔ ان کو یہ خیال ہی نہیں کہ ان کی یہ حرکت بھی قابل گرفت ہے اور اس کا بھی جواب طلب ہوگا۔ ہمارے بعض بھائی اور بہنیں شعوری اور غیر شعوری طور ایسی حرکات کرتے ہیں جو



ہماری دینی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ مثلاً سڑک پر چلتے ہوئے سگریٹ جلتی ہوئی پھینک دی جس سے آگ لگنے کا خطرہ ہو سکتا ہے، پان کی پچکاری دیواروں پر یا سڑک پر اُگل دی، گھر کا کوڑا اپنے یا پڑوسی کے دروازے کے آگے پھینک دیا، بس میں سفر کرتے ہوئے مونگ پھلی کھا رہے ہیں اس کے چھلکے یا کاغذ بس کے فرش پر ڈال دئے، ریل کے سفر میں بھی یہ ہوتا ہے۔ بعض حضرات تو چلتی بس سے پان کی پچکاری باہر پھینکتے ہیں جو کسی پیدل چلنے والے پر گر جائے تو ہنگامہ برپا ہو جائے گا اور ایسا حادثہ میں نے دیکھا ہے۔ بعض بسوں میں فلمی بے ہودہ قسم کے گانے بجاتے ہیں جس سے شریف النفس لوگوں اور خواتین کو گراں گذرتا ہے۔ ایسی بے شمار بے اعتدالیاں سرزد ہوتی ہیں۔ ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔

ہمارے ہم وطن جب باہر جاتے ہیں تو وہاں بہت مہذب ہو جاتے ہیں۔ وہاں نہ تو سگریٹ سڑک پر پھینکتے ہیں اور نہ ہی پان کی پچکاری بس سے باہر پھینکتے ہیں۔ وہ اخلاقی قدریں جو کبھی ہماری شناخت ہوتی تھیں وہ آج ہم دوسری اقوام میں دیکھتے ہیں۔

سر سید احمد خان:

محمد ذاکر علی خان صاحب نے روایات علی گڑھ میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ سر سید احمد خاں ایک دن اپنی ٹفن میں لڑکوں کے ہوسٹل کے قریب سے گذر رہے تھے۔ لڑکوں نے کھڑکی سے خر بوزے کی چھلکے اور بیج باہر پھینکے جو سر سید کی گود میں آ کر گرے۔ سید صاحب لڑکوں کے کمرے میں گئے ان سے دریافت کیا کہ چھلکے آپ

نے باہر پھینکے تھے لڑکے بہت شرمندہ ہوئے اور معذرت کی۔ ہمارے یہاں اس قسم کی حرکات اکثر ہوتی ہیں۔ سرسید تو بس لڑکوں تنبیہ کر کے چلے گئے اگر یہ کسی اور کے ساتھ ہوتا تو خون خرابہ ہو جاتا۔

کبھی اطمینان سے گھر پر بیٹھ کر غور فرمائیں کہ ایسی حرکات سے کتنے لوگوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ یہ سب قابل گرفت حرکات ہیں اور ان کی بھی باز پرس ہوگی۔ ہمارے دین میں مسلمان کو بہترین اخلاق اور اعلیٰ کردار کی تعلیم دی گئی ہے اگر ہم ان پر عمل کریں تو واقعی اشرف الانسان شمار کئے جائیں گے۔

### کھانے کے آداب کا فقدان:

ہمارے معاشرے میں بے شمار تکلیف دہ حرکات نظر آتی ہیں جن کا تعلق آداب زندگی اور اخلاقی قدروں سے ہوتا ہے۔ شادیوں کی تقریبات میں، مختلف اداروں کے اجتماعات میں، فلاح و بہبود کی انجمنوں میں کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جہاں کھانا بٹھا کر کھلایا جاتا ہے وہاں قدرے بے صبری اور افراتفری کم ہوتی ہے لیکن جہاں کھانا بونے ہوتا ہے وہاں تو الامان الحفیظ جنگ کا سماں ہوتا ہے۔ کھانا شروع ہوتے ہی کھانے پر مہمان ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کو کھانا کبھی نصیب نہیں ہوا۔ اس بھاگ دوڑ میں بہت سوں کے کپڑے بھی خراب ہو جاتے ہیں۔ عوامی اجتماعات میں تو کسی حد تک درگزر کیا جاسکتا ہے لیکن اعلیٰ تعلیمی اداروں میں یہ منظر دیکھ کر بہت افسوس اور شرم آتی ہے۔ کھانا عموماً اتنا وافر ہوتا ہے کہ سب اطمینان سے سیر ہو کر کھا سکتے ہیں بلکہ اکثر بیچ جاتا ہے۔ جامعہ کراچی میں ایک زمانے میں ٹیچر سوسائٹی

کی کلب کی طرف سے سالانہ ڈنر کا اہتمام کیا جاتا تھا اس میں اساتذہ اور عملہ کا انداز وہی دیکھا جو عام لوگوں کا ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کھانے کی دوڑ کی وجہ سے بہت سے پروفیسروں کے سوٹ اور خواتین کی ساڑھیاں شور بے سے رنگین ہو گئیں۔ جب اعلیٰ تعلیمی اداروں میں کھانے کے آداب کا فقدان ہو تو پھر عام شہریوں سے اچھے آداب کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

ہماری دینی تعلیمات میں ہر شعبہ زندگی کے آداب بتائے گئے ہیں۔ ملنے جلنے، اٹھنے بیٹھنے، سفر، کاروبار، لین دین، میاں بیوی، بچے اور والدین، استاد و شاگرد، پڑوسی، مہمان و میزبان، عبادات وغیرہ کے آداب قرآن اور سنت نبوی ﷺ میں بتائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بزرگوں اور مصلحین نے بھی اپنی کتابوں میں ان پر واضح طور پر اظہار خیال کیا ہے۔ ہم مغربی معاشرہ میں بہت سی خرابیاں دیکھتے ہیں لیکن بہت سے ہمارے آداب اور اخلاقی قدریں وہاں نظر آتی ہیں۔ وہاں سے آنے والوں سے اکثر تعریفی جملے سننے میں آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیں اور وہاں جانے والوں کو متاثر کرتے ہیں۔

### لطیفہ جلد ساز:

ایک لطیفہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے ایک مرتبہ تقریر کے دوران فرمایا۔ ایک صاحب کتابوں کی جلد سازی میں بڑے ماہر تھے اور کام بہت عمدہ اور نفیس انداز سے کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک دوست ایک نسخہ قرآن شریف کا ان کے پاس لے گئے اور کہا کہ اس کی جلد خراب ہو گئی ہے۔ اسکی اچھی سی

جلد بنا دیجئے۔ ان جلد ساز صاحب کی عادت تھی جب کوئی کتاب جلد کے لئے آتی تو اسکو پڑھتے تھے اور اس میں املے کی غلطیاں درست کیا کرتے تھے۔ جن صاحب نے قرآن شریف جلد بندی کے لئے دیا تھا ان کو جلد ساز صاحب کی یہ عادت معلوم تھی۔ انھوں نے جلد ساز صاحب سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی غلطی کا امکان نہیں لہذا اس میں آپ کوئی اصلاح نہ فرمائیں۔ جلد ساز صاحب نے کہا میں جانتا ہوں اس میں کوئی غلطی کا امکان نہیں، آپ اطمینان رکھیں۔ مقررہ دن وہ صاحب جلد ساز صاحب کے پاس گئے اور قرآن کا نسخہ طلب کیا۔ جلد ساز صاحب نے واقعی بہت عمدہ جلد بنائی تھی۔ جنھوں نے جلد کے لئے قرآن مجید دیا تھا بہت خوش ہوئے اور مطلوبہ رقم ادا کی اور جانے لگے۔ جانے سے پہلے انھوں نے ایسے ہی مذاق سے دریافت کیا۔ میاں اسمیں تو آپ نے کوئی اصلاح نہیں کی۔ جلد ساز صاحب کہنے لگے صاحب ایک دن میں نے سوچا آپ کے قرآن کے نسخہ کی تلاوت ہی کی جائے۔ میں نے دیکھا کہ اللہ کی کتاب میں گندے لوگوں اور کافروں کا ذکر کیسے آ گیا۔ یہ تو اللہ کا کلام ہے اس میں تو ایسے لوگوں کا ذکر مناسب نہیں۔ لہذا جہاں جہاں فرعون کا ذکر ہے وہاں میں نے آپ کے والد صاحب کا نام لکھ دیا اور جہاں جہاں شیطان کا نام تھا وہاں میں نے آپ کا نام لکھ دیا۔ اسی طرح جہاں خراب عورتوں کا ذکر تھا وہاں آپ کی والدہ صاحبہ کا نام لکھ دیا۔ وہ صاحب جلد ساز صاحب پر بہت خفا ہوئے اور بُرا بھلا کہتے ہوئے گھر چلے گئے۔ تو بعض اوقات علم کی کمی اور غیر شعوری طور پر بھی لوگ غلط کام کر جاتے ہیں جس سے دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہے۔

## تیز رفتا میٹر:

ایک عام پریشانی جو عوام کو درپیش ہوتی ہے وہ بس میں، ٹیکسی یا رکشہ سے سفر ہے۔ بسوں میں عام طور پر مسافروں کو جانوروں کی طرح ٹھونسا جاتا ہے یہاں تک بس کی چھت پر اور باہر لٹک کر جانا عام ہے جو بہت خطرناک ہے۔ بسوں کی کمی کہنے یا مسافروں کی بے صبری۔ اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا کوئی دانشمندی نہیں۔ اس کا علاج تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ آبادی کے تناسب سے بسوں کا انتظام کیا جائے۔ اسکی جواب دہی ان ہی پر ہے۔ بسوں کے کرایوں میں کنڈکٹر حضرات ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ کسی سے زیادہ لے لیتے ہیں یا کسی کو ٹکٹ دیتے ہی نہیں وہ ان کی جیب میں۔ بعض بسوں میں ٹکٹ کا رواج ہی ختم کر دیا گیا ہے۔

ٹیکسی اور رکشہ والے یا تو منہ مانگے پیسے وصول کرتے ہیں یا غلط میٹر پر سواریوں کی خدمت کرتے ہیں۔ میٹر کے لئے قسم کھا کر کہتے ہیں کہ صحیح ہے جبکہ اکثر میٹر خراب ہوتے ہیں یا بہت تیز چلتے ہیں۔ رکشہ کے میٹر تو ٹیکسی سے بھی تیز چلتے ہیں۔ ٹیکسی اور رکشہ والے جو میٹر کے حساب سے پیسے لیتے ہیں اور میٹر تیز ہونے کے باعث جو رقم لی جاتی ہے وہ حرام ہے اور وہ پیسہ رزق حرام شمار ہوگا۔ پھر ٹیکسی والوں کو پولیس کو بھی خوش کرنا ہوتا ہے۔ بقول ٹیکسی اور رکشہ والوں کے کہ پولیس کو مسلسل کچھ نہ کچھ دینا پڑتا ہے۔ اس طرح پولیس والے بھی رزق حرام سے اپنی آمدنی بڑھاتے ہیں۔

پولیس:

پولیس کی کرم فرمائیاں تو ہر شعبہ زندگی میں نمایاں ہیں۔ دوکاندار، خونچہ والے

ایک مقررہ رقم پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو دوکاندار پر کوئی تاوان نازل ہوگا اور خونچہ والے کا یا تو خونچہ ہٹا دیا جائے گا یا اسے زد و کوب کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دوکان سے یا خونچہ سے اپنی حاجت کی شے بغیر دام دئے لے جانا تو ان کا دائمی حق ہوتا ہے۔

موٹر سائیکل اور کاروں کو اکثر روک کر لائسنس اور دیگر کاغذات چیک کئے جاتے ہیں۔ یہ کوئی بُری بات نہیں لیکن اس میں بھی پیسے وصول کرنے کی صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ ایک ڈاکٹر صاحب رات کو اپنے مطب سے واپس گھر جا رہے تھے ان کو روکا اور کاغذات طلب کئے۔ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ملی تو کہنے لگے پیسے نکالو۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کس بات کے کہنے لگے اتنا کماتے ہو ہمارا بھی حق ہے ڈاکٹر صاحب نے جب انکار کیا تو بدتمیزی پر اتر آئے اور کہنے لگے پیسے نکالو ورنہ تھانے چلو ہم بتائیں گے کہ آپ کی گاڑی سے ہیروئن برآمد ہوئی ہے۔ دست درازی پر اتر آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اسی میں عافیت جانی اور ان کو کچھ رقم دے کر اپنی جان بچائی۔

بعض اوقات پیدل چلنے والوں کو بھی روک کر نذرانہ وصول کرتے ہیں۔ ہمارے ایک عزیز کا بچہ کہیں جا رہا تھا اسکو روک کر شناختی کارڈ طلب کیا۔ اس کے پاس فوٹو کا پی تھی۔ بس اسکو کہا چلو تھانے یا پیسے نکالو۔ اس نے کچھ تذبذب کیا تو اسکے دو تین ہاتھ رسید کئے اور پولیس کے ٹرک پر پکڑ کر بٹھانے لے گئے۔ اس نے آخر کار جو بھی جیب میں تھا ان کی نذر کیا اور اپنی جان چھڑائی۔ ایسے بہت سے واقعات عوام کو پیش آتے ہیں جن کی کوئی داد فریاد سننے والا نہیں۔

اللہ جانے یوم الحساب اسکا جواب طلب ہوگا یا نہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ رزق حرام سے پرورش پانے والے خاندان کسی نہ کسی آفتِ ناگہانی، بیماری، حادثات کے شکار ہوتے رہتے ہیں اور عذاب الہی میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ یوم الحساب تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ شاید اللہ تعالیٰ پر بھی الزام لگائیں کہ ہمیں جنت میں داخل کرو ورنہ ہیروئن کا مقدمہ دائر کر دیں گے۔ بہر حال وہاں تو پانی کا پانی کا حساب دینا ہی ہوگا۔

### ملاوٹ:

ایسے ہی کھانے پینے کی اشیا میں ملاوٹ کرنا، دودھ میں پانی ملانا، ناپ تول میں کمی کرنا بھی ہمارے یہاں تجارت کے زریں اصولوں میں شمار ہوتا ہے۔ ”اور اے برادرانِ قوم ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو“ (سورۃ ہود ۸۵-۸۶، تفہیم القرآن۔ ص ۳۵۹-۳۶۰)۔

گو حکومت کی طرف سے بازار کی اشیا کی چیکنگ اور قیمتوں میں استقرار برقرار رکھنے کے لئے ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ متعلقہ دفتر کے افسران اپنا فرض ادا کرنے کے لئے دورے لگاتے رہتے ہیں۔ ان کو ہمارے ہوشیار تاجر نذرانے پیش کرتے رہتے ہیں اس کے باعث دونوں ہی خوش اور آرام سے رہتے ہیں۔ عیدین پر تو دونوں کے وارے نیارے ہوتے ہیں۔ عیدیں خوب خوشی اور مسرت سے گذرتی ہیں۔

## ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی:

جامعہ کراچی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (مرحوم) نے ایک بار تقریر کے دوران کہا معاشرے میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فائدے کے لئے دوسرے کے ساتھ زیادتی کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ وہ دینی اور اخلاقی اصولوں اور قدروں کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ لیکن یہ نہیں سوچتا کہ میں جو دوسروں کو بیوقوف بنا کر فائدہ حاصل کر رہا ہوں تو خود بھی بیوقوف بن رہا ہوں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دودھ والا دودھ میں پانی ملا رہا ہے، دوکان دار کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کر رہا ہے، انکم ٹیکس والا رشوت لے رہا ہے، ٹیکسی والا غلط میٹر سے زیادہ پیسے وصول کر رہا ہے۔ یہ سب اپنی جگہ خوش ہیں کہ انھوں نے دوسروں کو بیوقوف بنا کر خوب پیسے کمائے ہیں۔ لیکن اگر غور کریں تو یہ سب بھی بیوقوف بن رہے ہیں۔ انکم ٹیکس والا جو دودھ لے رہا ہے اس میں پانی ملا ہے، جس دوکان سے سودا خرید رہا ہے اس میں ملاوٹ ہے، ٹیکسی میں زیادہ پیسے دے رہا ہے۔ اسی طرح دودھ والا ملاوٹ والا سامان استعمال کر رہا ہے اور ٹیکسی اور رکشہ میں زیادہ پیسے دے رہا، اور کبھی پولس والے کو بھی نذرانہ دینے پر مجبور ہے۔ یہ ایسا چکر بن گیا ہے کہ سب ایک دوسرے کو بیوقوف بنا کر خوش ہیں اور خود بھی اسکا شکار ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب اسکی شکایت بھی کرتے نہیں تھکتے کہ لوگ بے ایمانی کر رہے ہیں اور خوفِ خدا نہیں ہے۔

”تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لئے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے



لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھاٹا دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ اُس دن جبکہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ ہرگز نہیں، یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال قید خانے کے دفتر میں ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ قید خانے کا دفتر کیا ہے؟ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی، (سورۃ المطفین - ۱ - ۹، تفہیم القرآن - ص ۲۸۰ - ۲۸۱)

### اشتہار بازی:

ایک وبا ہمارے یہاں ایسی رائج ہو گئی ہے کہ اسکا علاج ضروری ہے۔ اکثر دیواروں پر مختلف ادارے اور انجمنیں اپنے اشتہار یا تو چسپاں کرتے ہیں یا بڑے بڑے حروف میں پینٹ کرتے ہیں۔ اس سے ایک تو ہماری جہالت اور بدذوقی ظاہر ہوتی اور دوسرے شاہراؤں کی بدنمائی ہوتی ہے۔ پرائیوٹ گھروں کی دیواروں پر بھی اشتہار لگائے یا پینٹ کئے جاتے ہیں۔ افسوس اس بات پر زیادہ ہوتا ہے کہ ہمارے دینی ادارے بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ کیا دینی اعتبار سے یہ جائز ہے کہ کوئی ادارہ اپنا اشتہار کسی کے مکان کی خوبصورتی کو بدنما بنائے؟ اسی طرح شہر کی شاہراؤں پر گندے اور غیر اخلاقی اشتہار لگا کر شہر کو بدنما اور گندا کریں۔ شہری حکومت ان کو اگر صاف کرنا چاہے تو کثیر رقم خرچ ہوگی۔ یہ رقم بھی شہریوں ہی کی جیب سے جائے گی کیونکہ جو ٹیکس عوام دیتے ہیں یہ خرچ اسی سے کیا جائیگا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ مہذب ملکوں میں اشخاص یا چھوٹے ادارے اشتہارات چھوٹی چھوٹی تختیوں کو ڈنڈوں پر لگا کر

ایسی جگہوں پر گاڑ دیتے ہیں جس سے نہ تو ٹریفک متاثر ہوتا ہے اور نہ راہ چلنے والے۔ اور یہ لگتے بھی خوبصورت ہیں۔ بڑے ادارے البتہ ہمارے یہاں بھی عمارتوں کی چھتوں پر یا شاہراؤں پر اونچے کھمبوں پر لگاتے ہیں۔ جو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس طرف بھی ہمیں غور کرنا چاہئے کیونکہ اشتہار بازی سے اگر کسی کی دل آزاری ہوتی ہے یا شہری صفائی اور نفاست میں خلل پڑتا ہے تو اس کی بھی باز پرس ضرور ہوگی۔

## بجلی، ٹیلی فون، پانی اور گیس:

بجلی، ٹیلی فون، پانی اور گیس کے ادارے بھی قوم و ملک کی بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ماہانہ بل کبھی کبھی تو ایسا ہوشربا آتا ہے کہ صاحب خانہ کی سال بھر کی تنخواہ بھی اسکو ادا کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ اسکی اصلاح کرانے کے لئے جو پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ بس معاملہ کچھ لے دے کر ہی طے ہوتا ہے۔ بجلی غائب ہونے کا تماشہ تو روز کا معمول ہے اسی طرح پانی کی رسد بھی اکثر غیر یقینی ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاف پانی کے بجائے گڑ کا پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔ اس میں شاید یہ حکمت ہو کہ گڑ کا پانی زرخیزی کا سبب ہوتا ہے۔ کھیتوں میں ڈالا جائے تو پیداوار زیادہ اور اچھی ہوتی ہے اسی طرح اگر لوگ یہ پانی استعمال کریں تو ان کا بھی ہاضمہ درست رہے گا۔ ٹیلی فون پر بات کرنا تو اکثر اوقات بہت مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح اکثر یا تو جانکنی کی حالت میں ہوتا ہے یا سکرات میں (Coma) میں ہوتا ہے۔ اسکی روح کو بیدار کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے پڑتے ہیں۔ اسلام آباد تک دروڑ لگانا پڑتی ہے۔ لیکن بااثر لوگ اس متاثر نہیں ہوتے یا جو اس

ادارے کے کارندوں کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ ابھی گیس والوں کو اپنے حقوق کا ادراک نہیں ہوا ہے اسی وجہ سے لوگ ان سے زیادہ شاک کی نہیں ہیں۔

یوں بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی شہری نے بل کی ادائیگی ایک دو ماہ نہ کی تو بجلی یا پانی یا گیس سے محروم ہو جاتے ہیں اور پھر وہی کرنا ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ہاں یہ ادارے ان لوگوں کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے جو ملک و قوم کے اعلیٰ خدمت گار ہیں۔ ان میں وزراء، کرام، سیاسی جماعتوں کے لیڈران، بڑے سرمایہ دار اور وہ جن کا حکومت کے اعلیٰ افسران تک اثر رسوخ ہے۔ اخبارات میں ان حضرات سے متعلق غلطی سے انکشاف ہو گیا کہ ان برگزیدہ لوگوں نے کئی کئی سالوں سے بجلی اور ٹیلی فون کے بل ادا نہیں کئے ہیں۔ یہ بھی یوں ہو گیا کہ جب ایک حکومت کا تختہ الٹ کر دوسری حکومت آگئی تو اس نے اپنی حسن کارکردگی دکھانے اور پہلوں کی غلطیوں کو اچھالنے اور اپنی کارکردگی کا کریڈٹ لینے کے لئے ان اداروں کو اشارہ کر دیا اور انھوں نے فوراً کمپیوٹر کی فہرستیں اخبارات میں شائع کر دیں۔ اس سے پہلے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کی کہ برسر اقتدا حکومت کے عتاب کا شکار ہو جاتے۔ اس کا بھی حساب شاید نہ لیا جائے کیونکہ یہودیوں کی طرح ہمارے اہل اقتدار کو شاید یہ گمان ہو کہ وہ سب ملک و قوم کے اعلیٰ خدمت گار ہیں اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔

کہا یہ جاتا ہے کہ منتخب سربراہ مملکت اور وزراء کرام ملک و قوم کے خادم ہوتے ہیں۔ ایسے ہی Civil Service ہمارے یہاں ایک بہت ہی عظیم اور مقتدر شخصیات کا ٹولہ ہے۔ یہ سب قوم کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوتے ہیں۔ ان کی تقریروں

سے تو گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے بعد یہی پوری انسانیت کے بھی خواہ اور ان داتا ہیں۔ لیکن یہ سب مل کر جو قوم کی درگت بنا رہے ہیں اس سے سب ہی واقف ہیں۔ انتخاب سے پہلے تو وہ بہت ہی ہمدرد اور خوش اخلاق نظر آتے ہیں اور بلا کسی روک ٹوک کے ہر شخص سے خلوص سے ملتے ہیں لیکن کرسی پر بیٹھنے کے بعد تو ان کی صورت اخبار یا ٹیلیویشن پر ہی نظر آتی ہے۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد جو جو کارنامے وہ انجام دیتے ہیں ان سے عوام کو فائدہ کم اور ان کے اپنے حسابات میں دن دوئی اور رات چوگنی ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کا پتا اس وقت چلتا ہے جب ان کو کرسی سے نیچے ڈھکیل دیا جاتا ہے۔

ان کے حلقہ انتخاب میں بجلی، پانی اور ٹیلی فون کا بحران ہمیشہ کی طرح برقرار رہتا ہے لیکن ان کے قصر میں یہ شکایت کبھی نہیں ہوتی اسی وجہ سے ان کو تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہر علاقہ میں ہر خدمت احسن طریقے سے انجام دی جا رہی ہے۔ اگر کسی طور ان کے علم میں شکایات لائی جاتی ہیں تو وہ ان کو خاطر میں نہیں لاتے کیونکہ اور دوسرے بہت سے قومی اہمیت کے مسائل درپیش ہوتے ہیں ان کا حل کرنا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ ان کو اطمینان ہوتا ہے کہ آئندہ انتخاب تک ان کو کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ سرکاری اہل کار، وزرا اور سول سروس کے لوگوں کا طبقہ چونکہ اعلیٰ مقام اور مقتدر حیثیت کا حامل ہوتا ہے اس لحاظ سے یوم الحساب ان کو شاید خصوصی مراعات میسر آئیں۔ ان کے تحت شعور میں شاید یہی گمان غالب ہے۔ اس کا صحیح اندازہ تو اسی دن ہوگا جب وہ اپنے سے بڑے مقتدر اعلیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔

معدودے چند ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو واقعی اپنے تن من اور دھن سے عوام الناس کی خدمت کرتے ہیں جن کو عوام یاد رکھتے ہیں۔ ان کے لئے دل و جان فرس راہ کرتے ہیں اور دعائے خیر کرتے ہیں۔ ایسے حضرات یقیناً اصحابِ بھین میں شامل ہوں گے۔

## کاشتکار، ہاری اور نجی جیلیں:

ہمارے ملک میں ماشا اللہ بڑے زمیندار، جاگیردار، وڈیرے اور سردار حضرات بڑی بڑی زمینوں کے مالک ہیں۔ ملک کی زراعت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ ان کے ماتحت بے شمار کاشتکار اور ہاری کام کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بدسلوکی، زیادتی اور ظلم کی داستانیں اکثر اخبارات میں شائع ہوتی ہیں۔ بعض نے تو نجی جیلوں بنا رکھی ہیں جن میں ظلم و تشدد کے واقعات اخباروں کی سرخیاں بنتے ہیں۔ ان کا پرسانِ حال کوئی نہیں ہے۔ بس کبھی برسرِ اقتدار حکمران اپنے کسی مخالف سیاسی حریف کو نقصان پہنچانے یا اپنی دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے ایسے معاملات کو مشتہر کراتے ہیں۔ اگر حکومت سروے کرے اور ملک کے تمام زمینداروں، وڈیروں اور سرداروں کی زمینوں کی جانچ پڑتال کرے تو غیر انسانی سلوک اور ظلم و تشدد کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ یہ معصوم کاشتکار اور ہاری بارگاہِ رب العزت میں یوم الحساب فریاد کریں گے کہ انکے حکمرانوں نے ان کی حفاظت نہیں کی اور ان پر ظلم اور تشدد ہوتا رہا۔

## ۸۔ قومی اور ملٹی مسائل

### قرضے معاف:

یہ بھی انکشافات ہوئے کہ بہت سے ملک و قوم کے خدمت گاروں نے بنکوں سے کروڑوں روپے قرض لئے اور ادا نہیں کئے اور بہت سوں نے تو معاف کرا لئے۔ ویسے سبھی خوش حال اور صاحبِ ثروت ہیں۔ لیکن جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ انہوں نے مجبوراً ملک و قوم کی خدمت کے لئے قرضے لئے اور ناسازگار حالات کے باعث خرچ کر بیٹھے لہذا واپس کرنے کی استطاعت نہیں۔ برسرِ اقتدار حکومت نے ان پر ترس کھا کر صلہِ رحمی کرتے ہوئے معاف کر دئے۔ اسکا بھی شاید حساب نہیں لیا جائے گا کیونکہ اس کی سفارش اعلیٰ قیادت نے کی۔

### بیرونی قرضے اور کاسہ گدائی:

حکومتیں بیرونی ممالک سے یا بین الاقوامی مالی اداروں سے ترقیاتی منصوبوں کے لئے قرض لیتی ہیں۔ ہماری حکومتیں بھی قرضے لیتی رہی ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ تک تو ان کا کچھ حصہ ترقیاتی منصوبوں پر خرچ ہوا پھر وہ قرضے صاحبانِ اقتدار کے ذاتی منصوبوں کی تکمیل میں کام آئے۔ ملک قرضوں کے بوجھ تلے دبتا چلا گیا اور نوبت یہ آگئی کہ اصل کی ادائیگی تو کیا کرتے ان کا سود ادا کرنے کے لئے ان ہی اداروں سے مزید قرضے لیکر سود ادا کرتے رہے تاکہ ملک کی ساکھ خراب نہ ہو۔ اب کہا جا رہا ہے کہ ایسی حکمتِ عملی اختیار کی گئی ہے کہ قرضوں کا بوجھ کم کر دیا گیا ہے اور بہت جلد کاسہ

گدائی توڑ دیا جائے گا۔ اس حقیقت کا بھی پتا اس وقت چلے گا جب کوئی دوسری حکومت قائم ہوگی۔ کیونکہ ہمارے یہاں جب نئی حکومت آتی ہے تو پچھلی حکومت کی خرابیاں بیان کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ سابقہ حکومت نے کیا کیا دھاندلیاں کیں اور بیرونی قرضے کس طرح خرد برد کئے۔ یہ طے ہے کہ ان صاحبانِ اقتدار سے باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ ان بین الاقوامی اداروں کی سفارش پر انہیں معاف کر دیں گے جن کے اشاروں پر انہوں نے قرضہ کی رقم ذاتی طور پر استعمال کی۔ اور یوں بھی ہوتا ہے کہ حکومتِ وقت بھی انہیں معاف کر دیتی ہے جب بیرونی دباؤ ہو یا اپنی حکومت کو استحکامِ دوام حاصل کرنے کے لئے سیاسی مصلحت کا تقاضہ ہو۔

بیرونی قرضے یا اندرونی قرضے حکومت کہاں سے ادا کرتی ہے؟ برسرِ اقتدار قائدین اپنی جیب سے تو ادا نہیں کرتے یہ سارا بوجھ عوام پر ہی پڑتا ہے عوام جو ٹیکس دیتے ہیں اور تاجر جو بین الاقوامی زر مبادلہ کماتے ہیں ان ہی سے قرضوں کی ادائیگی ہوتی ہے یعنی سر عوام کا اور جو تاجر کا کارکا۔

## شماریات Statistics

ایک اور ہوشربا تماشہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت وقفہ وقفہ سے مختلف شعبہ جات میں ترقی کی رفتار سے قوم کو آگاہ کرتی رہتی ہے۔ اخبارات میں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بتایا جاتا ہے کہ ملک میں ترقی کی رفتار برقی انداز سے ہو رہی ہے۔ اگر حکومتی شماریات یعنی Statistics کو جمع کیا جائے تو اب تک ہماری حکومتیں جو دعویٰ کرتی رہی ہیں اس حساب سے پاکستان دنیا کا مالدار ترین ملک اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔

جب کوئی حکومت ختم ہوتی ہے اور دوسری آتی ہے تو سابقہ حکومت کے اعداد و شمار کو غلط بتاتی ہے یہ ایسا گورکھ دھندا جسے شاید فرشتے بھی سمجھ نہیں سکیں گے۔ اور یہ تماشہ کرنے والوں کو معقول شہادتیں میسر نہ ہونے کے باعث شاید معاف کر دیے جائے۔

## بنکوں کی لوٹ مار:

وطن عزیز میں جہاں بعض ادارے عوام کو لوٹ رہے ہیں وہاں ہمارے بینک بھی اس کار خیر میں خوب مستعدی سے شریک ہیں۔ ان کو کھلی آزادی میسر ہے۔ ہر کام کے لئے وہ صلہ خدمت وصول کرتے ہیں۔ عوام کے پیسے سے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں۔ عوام کے پیسے سے ہی سودی قرضے جاری کرتے ہیں۔ تھوڑا سا بچت (Savings) کھاتے والوں کو سود منافع کی شکل میں دے دیتے ہیں۔ ایک مقررہ حد سے کم ہونے پر چھوٹے کھاتے داروں کے کھاتے سے کٹوتی شروع کر دیتے ہیں۔ ایک ظلم یہ کرتے ہیں کہ اگر کسی کو دوسرے شہر سے چیک وصول ہوتا ہے تو اس کی clearance کم از کم سو روپے کاٹ لیتے ہیں۔ بعض بینک اس سے بھی زیادہ کاٹتے ہیں۔ اسپر اسٹیٹ بینک کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بنکوں کو لوٹ کھسوٹ کے لئے آزاد چھوڑا ہوا ہے۔ اگر کسی کو ایک سو بیس روپے کا چیک کسی دوسرے شہر سے وصول ہوا ہے تو سو روپے بینک کھا جائے گا اس غریب کو صرف بیس روپے ملیں گے۔ بینک والے کہتے ہیں کہ کلرینس میں ان کے اتنے ہی روپے خرچ ہوتے ہیں جو کہ قطعی جھوٹ ہے۔ آجکل تمام بینک کاروبار کمپیوٹر اور انٹرنیٹ پر کرتے ہیں ایمیل کے ذریعہ بڑی آسانی سے چند سیکنڈ میں لین دین ہو جاتا ہے اسپر ایک



روپے سے بھی کم خرچ آتا ہے لیکن یہ ظالم بینک والے سو روپے یا اس سے بھی زائد وصول کرتے ہیں۔ چھوٹے کھاتے داروں کی رقوم ہوتی ہی تھوڑی ہیں اس پر بینک والوں کی چھری ان کو حلال کر دیتی ہے۔ بڑے سرمایہ داروں کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی فراخ دلانہ ہوتا ہے۔ ان کو قرضے بھی بڑی خوشی سے دیتے ہیں اور معاف بھی آسانی سے کر دیتے ہیں۔ جو قرضے بینک سرمایہ داروں کو دیتے ہیں وہ عوام ہی کا سرمایہ ہوتا ہے جو امانتاً بینک میں جمع ہوتا ہے اسی کو وہ قرض کے طور پر دے دیتے ہیں واپس نہ ہونے پر ان کو کوئی ملال نہیں ہوتا کیونکہ یہ سرمایہ ان کی اپنی جیب سے نہیں جاتا۔ اس خسارے کو چھوٹے کھاتہ داروں کے سرمائے سے کٹوتی کر کر کے پورا کر لیتے ہیں۔ سودی کاروبار کرنے اور کھاتہ داروں پر ظلم کرنے پر ان کا جو حشر ہوگا اس کا تو تصور کیا ہی نہیں جاسکتا اس کے علاوہ جو ظلم دوسرے معاملات میں یہ کر رہے ہیں اس پر بھی ان کی اچھی مرمت ہوگی۔

## ۹۔ حقوق اللہ اور دعوتِ اسلامی

عبودیت:

اللہ میاں ہیں اور ہر جگہ موجود ہیں اور پوری مخلوق پر نظر رکھتے ہیں یہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ پوری مخلوق کی باطنی اور ظاہری حرکات اور سکنت کو دیکھتے ہیں کوئی شے ان سے مخفی نہیں ہے۔ کلمہ شہادہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے اور اس کے معنی سمجھتے ہیں جو کہ مسلمان کے عقیدہ کی بنیاد ہے۔ اس کے باوجود معاملات میں، لین دین میں اور عبادات میں ہیرا پھیری کرتے ہیں اور غفلت برتتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو خصوصاً بنی نوع انسان کو بے شمار اور لامحدود انعامات اور نعمتوں سے نوازا ہے تو پھر اسکی طرف سے لاتعلقی اور لا پرواہی کیوں برتتے ہیں۔ جب تک آرام و آسائش سے گذر ہوتی ہے اسکو اپنی کاوش اور کارنامہ تصور کرتے ہیں اور جب کوئی بڑا نقصان یا کوئی خطرناک بیماری لاحق ہوتی ہے تو پھر اللہ میاں یاد آجاتے ہیں۔ توبہ، استغفار اور نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ سکھ میں ہوتا ہے حافظہ بیکار دکھ میں اللہ یاد آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض متعین کئے ہیں ان پر عمل کرنا عین سعادت اور عبودیت ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہم اپنے والدین کی نافرمانی کریں تو سرزنش کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر اسکول میں استاد کی تعلیم پر توجہ نہ دیں تو فیل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر دفتر میں افسر کے احکامات پر عمل نہ کریں تو ملازمت سے نکالے جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ لیکن اللہ میاں کے احکامات پر عمل نہ کرنے سے ڈر نہیں لگتا کیونکہ وہ نظر نہیں آتا اور کوئی اس کی طرف سے سزا دینے والا بھی موجود نہیں ہوتا۔ یہ عقیدہ کی کمزوری ہے۔ لیکن جب کوئی آفت ناگہانی آتی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ اللہ میاں کہیں آس پاس ضرور ہیں۔ زلزلہ آجائے یا سیلاب آجائے یا کوئی مہلک بیماری پھوٹ پڑے تو اللہ میاں خوب یاد آتے ہیں۔ ہم روزانہ ایسے حادثات کا مشاہدہ کرتے ہیں جن سے روح کانپ جاتی ہے۔ بس خیر اسی میں ہے کہ اپنے رب کو ہر وقت اپنے قریب سمجھیں اور اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں پر استغفار اور توبہ کرتے رہیں اور اس کے احکامات پر خوش دلی سے عمل کریں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اسکی رضا حاصل کرنے کے لئے نماز، روزہ اور زکوٰۃ پابندی سے ادا

کرتے رہنا چاہئے۔ ان عبادات سے بے شمار آفات، مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات ملتی ہے۔

### نماز و روزہ:

ہر مسلمان پر نماز اور روزہ فرض ہے۔ نماز دین کا ستون ہے (حدیث شریف) والدین کا فرض ہے کہ وہ خود بھی نماز اور روزہ کی پابندی کریں اور اپنے بچوں کو بھی تاکید کریں اور ان کو عادی بنائیں۔ بعض روشن خیال گھروں میں اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا جس کے باعث وہ خود بھی بے راہ روی پر ہوتے ہیں اور ان کے بچے بھی غیر مسلموں کی طرح آزاد ہوتے ہیں۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی شریف صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت تاکید کی گئی ہے اور شدید باز پرس اور عذاب جہنم کی وعید دی ہے۔ پانچ وقت اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا، اپنی خطاؤں اور گناہوں کی معافی طلب کرنا، اپنے بیوی بچوں کی صحت و سلامتی کی دعا کرنا، رزقِ حلال اور عمرِ دراز کے لئے دعا کرنا، اپنے والدین اور دیگر اعضاء اقارب اور احباب کے لئے دعائے خیر کرنا وغیرہ کتنا عظیم کام ہے۔ اس سے آپ کو قلبی سکون اور راحت میسر آتی ہے۔ نماز ایسی عبادت ہے کہ جب بندہ اپنے رب کے حضور سر بسجود ہوتا ہے تو اسے خیال ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو ہے اور وہ اس کی سرگوشی کو توجہ سے سن رہے ہیں تو اسکو ناقابل بیان سرور اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کے سب سے زیادہ قریب نماز کی حالت میں ہوتے ہیں۔ نماز مومنوں کی معراج ہے (حدیث شریف)۔ اس کے علاوہ نماز کی برکت سے مسلمان میں صفائی، طہارت اور پاکیزگی کی صحت مند عادت راسخ ہو جاتی

ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کی آرزوں کو پورا کرتے ہیں اور اس کو اپنے فضل سے نوازتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں، ”بیشک نماز فحش اور بری باتوں سے روکتی ہے“ اگر نماز کامل طریقے سے اس کے فرائض اور واجبات کے ساتھ ادا کی جائے تو ضرور دل بری باتوں سے بیزار ہوگا۔ لیکن اگر نماز میں یکسوئی نہیں ہے تو پھر دل کیسے برائیوں سے رُکے گا۔ اگر ایک مریض دوا کھاتا ہے مگر ڈاکٹر کا بتایا ہوا پرہیز نہیں کرتا تو بیماری ضرور طول کھینچے گی۔

ہر مرد اور عورت یوں تو ہر وقت اپنے رب سے رجوع کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے اور اپنی حاجات اور پریشانیوں کو پیش کر سکتے ہیں لیکن نماز میں تو خصوصی توجہ کے حق دار ہو جاتے ہیں۔ رب العزت اپنے بندوں سے اتنی زیادہ محبت کرتے ہیں جتنی والدین بھی اپنی اولاد سے نہیں کرتے۔ کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ نہیں ہو رہی ہے اور دعائیں قبول نہیں ہو رہی ہیں اور پریشانیاں دور نہیں ہو رہی ہیں اور مسائل حل نہیں ہو رہے ہیں۔ اللہ رب العزت تو علام الغیوب ہیں وہ بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے کیا اور کس وقت مناسب ہے۔ بعض دفعہ مسئلہ یا پریشانی کچھ عرصہ بعد دور ہوتی ہے۔ بعض دعائیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قبول ہی نہیں ہوئیں۔ اس سلسلہ میں علماء کرام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جو دعائیں دنیا میں قبول نہیں کرتے وہ رائیگاں نہیں جاتیں بلکہ روزِ حساب جب کہ ہر شخص کا گناہوں کا پلڑا جھکا ہوا ہوگا اور سخت پریشانی لاحق ہوگی اور اپنے رب کے سامنے بے حد پشیمان ہوں

گے اور یہ اندازہ ہو جائے گا کہ جہنم رسید کئے جائیں گے تو رب کریم فرمائیں گے کہ اس شخص یا عورت کی وہ دعائیں جو ہم نے دنیا میں قبول نہیں کی تھیں وہ اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دو، تو نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا پھر وہ شخص یا عورت اپنے رب کے سامنے سر بسجود ہو جائیں گے اور شکر ادا کریں گے اور دل میں کہیں گے کہ کاش ہماری کوئی دعا قبول نہ ہوتی اور ہم مزید رحمتِ ربی سے فیضیاب ہوتے۔ لہذا ہر مسلمان مرد، عورت اور بچوں کو صمیم قلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور نماز سے قطعاً غافل نہیں ہونا چاہئے۔ نماز تو ہر حالت میں ادا کرنا فرض ہے۔ اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ کر، بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر اور اگر ایسی حالت ہو کہ ہل چل نہیں سکتے تو اشاروں سے نماز ادا کرنی ہوگی۔ نماز کی معافی بالکل نہیں ہے اس کی بہت سخت باز پرس ہوگی اور بڑا ہی المناک عذاب دیا جائے گا۔ یہ خیال فرمائیں کہ جس رب نے ہمیں اتنی ساری نعمتیں، آسائشیں، رحمتیں اور برکتیں عطا کی ہیں جن کو ہم شمار کرنا چاہیں تو تمام عمر ختم ہو جائے گی اور ہم ان کو شمار نہیں کر سکیں گے پھر ہم اس کی عبادت سے کیوں گریز کریں جبکہ نماز ادا کرنے سے ہمیں ہی فائدہ ہے اللہ میاں کو اس سے نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ کوئی نقصان۔

ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دلاتا ہے نجات

روزہ:

قرآن شریف میں ارشاد ہے، ”اے ایمان والوں فرض کئے گئے تم پر روزے جس طرح فرض کئے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پر ہیزگار بن

جاؤ۔ روزہ مسلمانوں کے عقیدہ کا اہم رکن ہے۔ اس سے کوئی ذی ہوش، عاقل و بالغ مستثنیٰ نہیں۔ یہ ایسی عبادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ”روزہ ڈھال ہے دوزخ سے بچنے کا“ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو روز دار کے منہ کی خوشبو مشک کی طرح مرغوب ہوتی ہے۔ سارے فرشتے روزہ داروں کے لئے مغفرت، رحمت، برکت اور بلندی درجات کی دعائیں کرتے ہیں۔ تراویح اور نمازوں کے اجر و ثواب ہزاروں گنا بڑھا دیئے جاتے ہیں۔ ویسے تو روزہ کی بہت ساری حکمتیں ہیں ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ احساس بیدار کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ ان مسلمان بھائیوں اور بہنوں کا خیال کریں جو کسی وجہ سے اپنے بچوں اور خود کے لئے پیٹ بھر خوراک مہیا نہیں کر پاتے۔ ان کا خیال کریں اور ان کے بچوں اور ان کے لئے خوراک اور دیگر اشیاء مہیا کر کے ثواب دارین کے مستحق ہوں۔ یہ خیال فرمائیں کہ غزوہ بدر میں حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ روزے کی حالت میں کفار سے نبرد آزما تھے۔ قلیل تعداد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت اور مدد سے نوازا اور فتح عطا کی۔ روزہ کے بے شمار فضائل و برکات ہیں جو قرآن مجید اور احادیث شریف میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جنت میں ایک دروازہ کا نام ریّان ہے اُس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے۔

ایک امریکی پروفیسر نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ ”مغربی ممالک میں باوجود بے شمار آسائشوں اور آسائنیوں کے لوگوں کو سکون قلب میسر نہیں۔ انہیں پُش بٹن سہولتیں حاصل ہیں وہ ترقی کی اعلیٰ ترین سطح پر ہیں۔ لیکن سکون و عافیت نصیب

نہیں ہے۔ اس نے کہا روزِ اوّل سے انسان اسی تک و دو میں لگا ہے کہ وہ پُر سکون  
 زندگی کے ثمرات حاصل کر لے لیکن اس میں تا حال کامیاب نہیں ہوا۔ اس نے کہا  
 ہمارے یہاں خودکشی، جرائم، طلاق، اور بہت سے اخلاقی جرائم حد سے زیادہ بڑھے  
 ہوئے ہیں۔ بعض قانون کی گرفت میں آجاتے ہیں اور بعض گرفت میں نہیں آتے  
 حالانکہ وہ مجرم ہوتے ہیں۔ دنیا میں ایک مجرم اثر، رسوخ یا پیسہ خرچ کر کے قانون کی  
 گرفت سے بچ جاتا ہے لیکن وہ آخرت میں اپنے خالق کی عدالت کی سزا سے نہیں بچ  
 سکتا۔ جرائم اور اخلاقی بے راہ روی کے باعث امن، سکون، عزت و آبرو ہمیشہ خطرہ  
 میں رہتی ہے۔ موجودہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین معاشرے کی حفاظت اور  
 اصلاح کی ضمانت دینے پر قادر نہیں ہیں۔ اس نے کہا انسان کو سکونِ قلب اور عافیت  
 اسی وقت میسر آسکتی ہے جب وہ مان لے کہ اسکا خالق اسکو دیکھ رہا ہے اور وہ اس پر  
 قادر ہے کہ وہ ہر انسان کے ظاہری اور باطنی گناہوں پر عبرت ناک سزا دے گا۔ اس  
 نے جو نظامِ حیات کے اصول بتائے ہیں اس پر عمل کیا جائے۔ اس نے کہا مسلمانوں  
 میں روزہ رکھنا خالص اللہ کی عبادت ہے روزہ دار دن بھر کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے جبکہ وہ  
 چھپ کر کھاپی سکتا ہے لیکن اسکو یہ یقین ہوتا ہے کہ اگر کوئی نہیں تو اسکا اللہ تو اسکو دیکھ رہا  
 ہے۔ وہ اسکی رضا کے لئے دن بھر بھوکا اور پیاسا رہتا ہے۔ لہذا اگر ہمارے معاشرے  
 میں لوگ یہ جان لیں کہ ان کا خالق ہر وقت ان کو دیکھ رہا ہے اور وہ ان کو ان کے اچھے  
 اور برے اعمال کی جزا اور سزا ضرور دے گا تو لوگ بہت سے گناہوں سے پرہیز کریں  
 گے۔ ہم مسلمانوں کا تو اس پر کامل یقین ہے۔ اور ہم ہر نقصان اور فائدے پر اللہ

تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نقصان پر توبہ استغفار کرتے ہیں اور فائدے پر اسکا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہ تصور اتنا عظیم ہے کہ مسلمان کو قلبی سکون میسر آتا ہے جبکہ مغرب میں لوگ نقصان پر کڑھتے رہتے ہیں اور فائدے کو اپنا کمال تصور کرتے ہیں۔

## زکوٰۃ:

قرآن شریف میں نماز اور زکوٰۃ کا تقریباً ۷۰ مرتبہ ذکر آیا ہے۔ زکوٰۃ کا نظام اللہ تعالیٰ نے اتنا باعثِ رحمت بنایا ہے کہ جس سے غریبوں کی کفالت ہوتی ہے اور صاحبِ ثروت زکوٰۃ ادا کر کے قلبی فرحت محسوس کرتے ہیں۔ ہم مغربی ممالک کی خوش حالی دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ وہاں کی حکومتیں کس طرح اپنے یہاں غریب، کمزور، ضعیف اور بیمار لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ وہاں Social Security کا ایسا نظام قائم ہے کہ جس کے تحت بیماروں کا علاج مفت ہوتا ہے، بے روزگاروں اور غریبوں کی کفالت حکومت کرتی ہے اور ضعیف یا ریٹائر لوگوں کو ماہانہ وظیفے ملتے ہیں۔ یہ نظام سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم پر مسلمانوں نے رائج کیا تھا۔ اب ہمارے ملک میں بیمار، ضعیف، غریب اور بیروزگار کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ ہمارے سامنے خلافتِ راشدہ کی نظیر موجود ہے جب حکومت بیت المال سے غریب، نادار اور بیماروں کی دیکھ بھال اور کفالت کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضور ﷺ نے اور خلفاء کرام نے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا سب صاحبِ ثروت مسلمان زکوٰۃ ادا کرتے تھے جس کی برکت سے مسلمان خوش حال ہو گئے اور کوئی بھیک مانگنے والا یا زکوٰۃ لینے والا نظر نہیں آتا تھا۔



زکوٰۃ اللہ رب العزت کی طرف سے قائم کردہ ٹیکس ہے اس کو تو ہر صاحب حیثیت مسلمان کو خوشدلی سے ادا کرنا چاہئے۔ یہ سوچنا چاہئے کہ جو حضرات خوش حال اور صاحب ثروت ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی سے اس حال میں ہیں ان کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ یہ ان کا کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر خفا ہو گئے تو چشم زدن میں امیر سے فقیر ہو جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے وہ کسی کو مال و دولت سے نوازتا ہے اور کسی کو فقر و فاقہ میں مبتلا کرتا ہے۔ دونوں ہی کا ایک طرح کا امتحان ہوتا ہے۔ مالدار کو اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہئے اور زکوٰۃ و صدقات سے اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا چاہئے۔ اس کا اجر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خوب خوب ملے گا۔ جو زکوٰۃ نہیں دیتے وہ عذاب الہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ دنیا میں تو مختلف مصائب میں مبتلا ہوتے ہی ہیں آخرت میں بھی مزید سزا بھگتیں گے۔

زکوٰۃ کا نظام پاکستان میں ضیا الحق مرحوم نے قائم کیا۔ برصغیر میں اورنگ زیب عالمگیر کے بعد پہلی بار یہ نظام پاکستان میں قائم ہوا۔ بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہے۔ یہ خیال فرمائیں کہ اللہ کی طرف سے زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا امت مسلمہ اور حکومت وقت پر فرض ہے۔ اگر عوام اس کی مخالفت کریں تو وہ جو ابدہ ہوں گے اور اگر حکومت وقت اسے نظر انداز کرتی ہے تو حکومت میں شریک سب گناہ گار ہوں گے کیونکہ زکوٰۃ کے نظام سے مساکین، غرباء، بے روزگار اور بیمار لوگوں کی کفالت ہونا تھی وہ نہیں ہو سکے گی۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ زکوٰۃ کی تقسیم منصفانہ نہیں ہو رہی۔ جیسے حکومت میں شریک لوگ سرکاری پیسے کو خورد برد کرتے ہیں ایسے ہی زکوٰۃ کا پیسہ بھی غریبوں کو کم

غیر مسحق لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ یہ کسی حد تک صحیح ہوگا۔ مشکل یہ ہے کہ ہم خود اپنے اوپر ایسے لوگوں کو مسلط کرتے ہیں جو بددیانت اور خائن ہیں۔ ہمیں ان کا محاسبہ کرنا چاہئے اور عدالت سے سزا دلوانی چاہئے۔ ایک دو کو سخت سزا مل گئی تو آہستہ آہستہ نظام درست ہونا شروع ہو جائے گا۔ ذاتی طور پر زیورات اور ایسی اشیاء جو ذاتی تصرف میں ہوں ان کی زکوٰۃ خود دی جاسکتی ہے۔ لیکن بینک میں یا کاروبار میں لگے ہوئے سرمایہ کی زکوٰۃ حکومت وقت کو ہی دینا مناسب ہے۔ بہت سے معاملات ایسے ہیں جو عوامی بہبود کے لئے حکومت ہی کر سکتی ہے۔ فی الحال نظام میں خرابی ہے انشاء اللہ عوام کے احتجاج اور شور کرنے پر اللہ تعالیٰ ایسے حکمراں مہیا کریں گے جو حق و انصاف پر عمل کریں۔ کہا جاتا ہے کہ ”جیسے عوام ہوتے ہیں ان پر ویسے ہی حکمراں مسلط کر دئے جاتے ہیں“ ہمیں رب العزت نے جن عبادات اور فرائض کو ادا کرنے کا حکم دیا ہمیں ان کو نہایت سعادت مندی اور خوش دلی سے ادا کرنا چاہئے اس سے دنیا میں ذہنی اور قلبی سکون میسر ہوگا اور آخرت میں رضائے الہی بھی میسر ہوگی۔ ہر مسلمان کا یہی حاصل زندگی ہونا چاہئے۔

### حج بیت اللہ:

حج بیت اللہ صاحب ثروت مسلمانوں پر فرض ہے اور الحمد للہ تمام عالم اسلام سے بندگان توحید اس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے حجاز مقدس تشریف لے جاتے ہیں اور اپنے رب کے حکم پر لبیک کہتے ہیں۔ حج کی ادائیگی میں کثیر رقم خرچ کرنا پڑتی ہے، سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا ہوتی ہیں، جسمانی تھکان بھی ہوتی ہے، اپنوں کی جدائی

برداشت کرنا پڑتی ہے اور صبر و تحمل کا امتحان بھی ہوتا ہے۔ حجاج کرام یہ سب اپنے رب کے حکم کی خوشنودی اور اسکی رضا کے حصول کے لئے بارضا و رغبت برداشت کرتے ہیں جس کا اجر عظیم ان کو رب کعبہ اس دنیا میں عطا کرتے ہیں اور آخرت میں بھی نوازیں گے۔

## اسلامی اخوت، یک جہتی اور OIC

حج کے انعقاد کا مقصد رب کعبہ کا یہ بھی ہے کہ مسلمان تمام عالم سے ارض مقدس پر جمع ہوں اور باہم اخوت اور یکجہتی کے بندھن کو مضبوط بنائیں۔ حج بیت اللہ پر امت مسلمہ کا عظیم اجتماع ہوتا ہے۔ یہاں مختلف ممالک سے آئے ہوئے حجاج کرام کو اپنے اور عالم اسلام کے حالات، مسائل اور عزائم پر تبادلہ خیال کرنے کا موقع میسر آتا ہے۔ سعودی حکومت تمام اسلامی ممالک سے سرکاری وفود اور علماء کرام کو مدعو کرتی ہے اور اجتماعات ہوتے ہیں۔ عالم اسلام کو درپیش مسائل پر گفت و شنید ہوتی ہے سفارشات مرتب کی جاتی ہیں۔ یہ ہر سال ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کے مسائل حل نہیں ہو رہے ہیں۔ عالم اسلام نہایت ہی سنگین مسائل سے دوچار ہے۔ کشمیری مسلمان نصف صدی سے زیادہ اپنی آزادی کے لئے کوشاں ہیں، فلسطینی مسلمان یہودیوں کے جبر و تشدد کا شکار ہیں، چیچنیا کے مسلمان روس کے ظلم و ستم کو جھیل رہے ہیں، فلسپین میں بھی مسلمانوں پر ظلم ڈھایا جا رہا ہے اور بھی کئی ملک ہیں جہاں بدسلوکی اور ناانصافی کا شکار ہیں۔ شاہ فیصل مرحوم نے موتمر عالم اسلامی (OIC) کا انعقاد کرایا۔ جو اقوام متحدہ کی طرز پر قائم کی گئی۔ اس میں ۵۶ اسلامی ممالک شریک ہیں۔ بہت بڑی قوت

ہے لیکن اس کا کام فقط اجتماعات منعقد کرنا اور قراردادیں منظور کرنا ہے۔ اسکی قراردادیں صدا باصحا ہوتی ہیں۔ سب اسلامی ممالک آنکھیں اور کان بند کئے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ یہی صورت حال اگر برقرار رہی تو رفتہ رفتہ سب کو ایسے ہی مسائل درپیش ہوں گے۔

سندھ کے ساحل پر چند مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہوئی تو اس وقت کے مسلمان حکمراں نے ایک بڑی قوت کو بہت دور ہونے کے باوجود لاکار اور ظلم کا بدلہ لیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”گویا وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی“ اس وقت تو مسلمان بہت ہی تھوڑے سے تھے۔ اب تو بفضلِ تعالیٰ بہت بڑی تعداد میں ہیں لیکن بے بس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ کسی مسلمان پر کسی خطہ پر ظلم ہو تو یہ پوری امتِ مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ اسکا تحفظ کرے۔ اسی طرح غالباً حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ اگر دریائے فرات پر ایک کتے کو قتل کیا گیا تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکا بدلہ لیں۔ ہمارے سربراہانِ اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے خلاف عملی تدابیر کریں اور ان کو ظلم و تشدد سے نجات دلائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ”ہماری داستاں بھی نہ ہو داستاںوں میں“۔ بہر حال یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ یوم الحساب جہاں ہر فرد کے اعمال کی باز پرس ہوگی وہاں سربراہانِ اسلامی ممالک سے بھی دریافت کیا جائے گا کہ انھوں نے امتِ مسلمہ کے مسائل حل کرنے میں کیا کردار ادا کیا۔

ہمارے قائدین اور بیچارے عوام:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام انسانوں پر فضیلت اور اعلیٰ مقام عطا کیا۔ قرآن

پاک اور احادیث نبوی ﷺ کے ذریعہ اس دنیا میں حق و انصاف، رواداری، بھائی چارگی اور صلہ رحمی کے ساتھ رہنے کی ہدایات اور اصول بتائے۔ ہم نے قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ کو پس پشت ڈال دیا۔ کمیونیزم، سوشل ازم، مغربی سیکولر جمہوریت اور سودی نظام سرمایہ داری کو اپنا ذریعہ نجات بنا لیا۔ جس کے باعث نخوست، نفرت، خلقشار، نا انصافی، ظلم و تشدد پھیل گیا۔ ایمان اور تقویٰ ناپید ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اندرونی طور پر ملک میں بد امنی، نفسا نفسی اور لوٹ کھسوٹ عام ہو گئی۔ جس کی وجہ سے بیرونی دنیا میں ہماری ساکھ ختم ہو گئی۔ بین الاقوامی سطح پر ہماری کوئی وقعت اور عزت نہیں ہے۔ غیروں کے اشاروں پر ہم ناچ رہے ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں ہمیں کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ہمارے سربراہ اپنی کرسی مضبوط کرنے کے لئے ان کے ہر مطالبہ کو مانتے ہیں۔ وہ جب اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں تو لات مار کر ذلت کے ساتھ ڈھکیل دیتے ہیں اور اپنے کسی اور فرمانبردار کو مسلط کر دیتے ہیں۔ عوام یہ تماشہ برسوں سے دیکھ رہے ہیں۔ عوام ظاہری طور پر مغربی طرز کی سیکولر جمہوریت کے تحت انتخابات میں حصہ ضرور لیتے ہیں لیکن قائدین وہی آتے ہیں جن کو بیرونی آقا چاہتے ہیں۔ عوام بے بس اور جوڑ و ظلم کی چکی میں پستے چلے جا رہے ہیں۔ اس ذلت اور رسوائی سے نجات اسی وقت مل سکتی ہے کہ جب ہمارے قائدین اور عوام اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط طریقے سے پکڑیں اور وہی روش اختیار کریں جس کی تعلیم ہمارے نبی آخری الزماں ﷺ نے عطا کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ”مسلمان اللہ سے نہیں ڈرتا تو پھر وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے“۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے تو پھر اس کی مثال وہ

ہوتی ہے کہ ”بے خطر کو دپڑا آتشِ نمرود میں عشقِ عقل ہے محوِ تماشہ لبِ بامِ ابھی“۔  
 مسلمان اگر اپنی حقیقت کو جان لے اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر عمل  
 کرے تو پھر ان کے سیلِ رواں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ”دشت تو دشت دریا بھی نہ  
 چھوڑے ہم نے۔ بحرِ ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے“۔ علامہ اقبال نے  
 مسلمان کو اپنے مقام پہچاننے کے لئے فرمایا۔

ہزار چشمے تیری سنگِ راہ سے پھوٹیں خودی میں ڈوب کر ضربِ کلیم پیدا کر  
 مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا کیا ہے کہ اگر وہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ اور  
 اس کے نبی ﷺ کے احکامات اور ہدایات پر عمل کرے تو اسکی ایک ضرب سے ہزار  
 چشمے پھوٹیں گے جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے بارہ چشمے پھوٹے تھے۔

### صلہ رحمی:

مسلمان دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسولِ مقبول ﷺ کی اتباع میں جو  
 صعوبتیں برداشت کرتا ہے اسکا اجر و ثواب یقیناً بے حد و حساب ہے۔ اولاد کی پرورش،  
 ان کی تعلیم و تربیت، بیوی کی ناز برداری، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی، پڑوسیوں کی  
 مدد، رفقا اور احباب کی خوشنودی، غربا اور مساکین کی کفالت کے لئے مالی، جسمانی اور  
 روحانی جدّ و جہد کرنا پڑتی ہے۔ یہ ایک قسم کا جہاد ہے۔ اس میں ایک شخص کو نہ صرف  
 مذکورہ کاوشیں کرنا پڑتی ہیں بلکہ اپنا وقت، ذہنی اور فکری صلاحیتوں کو بھی بروئے کار لانا  
 پڑتا ہے۔ ملی اور قومی تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہوتا ہے۔ ناگہانی آفات جیسے  
 سیلاب، زلزلہ، وبا، حادثات وغیرہ میں بھی حسبِ توفیق حصہ لینا پڑتا ہے۔ کسی اسلامی

یا غیر اسلامی ملک میں مسلمانوں پر کوئی افتاد برپا ہو جائے تو اس میں بھی تعاون کرنا پڑتا ہے۔ کشمیر، فلسطین، فلپین، چیچنیا، انڈونیشیا وغیرہ میں جو کشمکش چل رہی ہے اس میں بھی مالی یا جسمانی اعتبار سے شرکت کرنا ہوتی ہے۔ افغانستان پر جب روسیوں نے یلغار کی تو اہل پاکستان نے صرف مالی تعاون ہی نہیں کیا بلکہ لاتعداد پاکستانی فرزند ان توحید نے شرکت کی اور شہادت عظمیٰ سے شرف یاب ہوئے۔

## جہاد:

جہاد، اہل مغرب مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے اس کو قتل و غارتگری سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ جہاد کا مطلب جدوجہد ہے۔ جہاد کا مطلب دین اسلام میں یہ ہے کہ مسلمان پہلے اپنی اصلاح کرے اور دینی تقاضوں کو پورا کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں انکے خلاف جدوجہد کرے۔ اپنے نفس کو شیطان کے غلبے سے بچائے، اپنا تزکیہ نفس کرے۔ اپنے گھر، معاشرے اور ملک میں صالح ماحول اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی تگ و دو کرے۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ برائی یا شر کو دل سے بُرا سمجھے۔ جہاد قلم سے، زبان سے اور مجبوراً تلوار سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس میں ظاہر ہے کہ اسکو اپنی مالی، ذہنی، فکری اور جسمانی قوت کو استعمال میں لانا پڑے گا۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ سب کا فرض ہے۔ اگر سب اسکو اپنا فرض گردانیں تو گھر، معاشرے اور ملک میں صالح نظام قائم ہو سکتا اور مملکت خداداد پاکستان صحیح معنوں میں اسلامی ملک بن سکتا ہے۔ لہذا ملک میں صالح معاشرہ قائم کرنے میں جو جدوجہد کی جائے گی یہ جہاد فی سبیل اللہ ہی سمجھا جائے گا۔

حضور ﷺ اٹھارہ سال تک صحابہ کرامؓ کی تربیت اور اصلاح اور دین حق کی تعلیم میں جدوجہد کرتے رہے۔ جب مسلمان روحانی، تعلیمی اور جسمانی اعتبار سے پختہ ہو گئے تو پھر اپنے دفاع کے لئے مستعد ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود از خود جنگ میں پہل نہیں کی جب کفار نے لاکارا اور پہل کی تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم پر قتال پر آمادہ ہوئے۔

اگر کسی اسلامی معاشرہ کو، اسلامی اقدار کو اور کسی اسلامی ملک کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے کے لئے یلغار ہو تو پھر باقاعدہ جنگ کرنا لازمی ہے۔ اور یہ کوئی معیوب یا غیر فطری بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے۔ ایسی صورت میں جہاد ہر مسلمان پر فرض ہوتا ہے جو جسمانی طور پر شریک ہو سکتے ہیں ان کو بہ نفسِ نفیس جہاد میں شرکت کرنا چاہئے۔ جو جسمانی اعتبار سے عاجز ہوں ان کو دامِ درم اور جنگی ساز و سامان کی فراہمی میں تعاون اور مدد کرنا چاہئے۔ ذاتی اور ملکی جہاد میں شرکت کرنے والے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکے فضل و کرم سے فیضیاب ہوں گے جو اس سے گریز کریں گے وہ روزِ حساب دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔

### دعوتِ دینِ مبین:

اللہ کے دین اور اسکی شریعت کو اسلامی معاشرہ میں نافذ کرانا اور غیر اسلامی علاقوں میں اسکا تعارف کرانا یہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ”بلغو عنی ولو آپیہ“ ہمارے یہاں دوسرے مذاہب کی طرح مشنری کا تصور نہیں ہے۔ ہر مسلمان مبلغ ہے۔ اسپر دین کی تبلیغ اپنے گھر، محلہ، معاشرہ اور ملک میں کرنا فرض ہے۔ یہ کام الحمد للہ بعض لوگ



انفرادی طور پر کر رہے ہیں اور جماعتی طور پر بھی ہنور ہا ہے۔ لیکن بعض مغرب زدہ یا کاہل اس سے غافل ہیں۔ بعض تو اپنے بیوی بچوں تک سے دینی بات کرتے ہوئے گریز کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جدید طرز زندگی زیادہ فرحت بخش اور روشن خیالی ہے۔ روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج اور جہاد ان کے خیال میں دقیانوسی باتیں ہیں۔ وہ اپنی وضع قطع، لباس، رہنے سہنے کا انداز مغربی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ہاں جب قبر نظر آنے لگتی ہے تو پھر ان کو دین اور شریعت یاد آنے لگتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ جب بھی توفیق دے فوراً دین کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اپنے جیسے دوسروں کو بھی دین کی طرف راغب کرنا چاہئے۔

### مسلمان غیر اسلامی ممالک میں:

ہمارے بہت سے مسلمان بھائی بہت سے غیر اسلامی ممالک میں قیام پذیر ہیں۔ جو پڑھنے جاتے ہیں وہ وہاں کی چکا چونڈ زندگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ بعض تو اسی ماحول میں گم ہو جاتے ہیں اور بعض کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرتے ہیں وہ نہ صرف اپنے دین پر قائم رہتے ہیں بلکہ دعوت کا کام بھی کرتے ہیں۔ جو وہاں تعلیم مکمل کر کے سکونت اختیار کرتے ہیں ان میں تو بعض وہاں کی رنگ رلیوں میں محصور ہو کر فنا ہو جاتے ہیں اور بعض اپنے دین اور روایات پر قائم رہتے ہیں۔ اکثر اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ خود کو اور اپنے بیوی بچوں کو سنبھال لے رہیں۔ میرا کئی بار امریکہ جانا ہوا۔ ماشا اللہ وہاں اب کافی مسجدیں قائم ہو گئی ہیں اور کم از کم جمعہ کی نماز میں خاصے لوگ نماز کے لئے آتے ہیں۔ جو دینی جذبہ رکھتے ہیں وہ اسلام کا تعارف غیر مسلمانوں

میں کراتے ہیں اور تبلیغ میں بھی جدوجہد کرتے ہیں۔ بعض اپنے چھوٹے چھوٹے حلقوں میں درس کا اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بڑی تعداد ایسے حضرات کی ہے جو اپنے دفتر کے ساتھیوں یا پڑوسیوں سے دین کی بات کرتے ہوئے شرماتے یا ڈرتے ہیں۔ بس آپس ہی میں میل جول رکھتے ہیں۔ میں نے چند احباب کی توجہ اس طرف دلائی کہ وہ دفتر کے ساتھیوں، پڑوسیوں سے اور دوسرے شناسا لوگوں سے راہ و رسم بڑھائیں۔ تعلقات استوار کریں۔ شروع میں دین کی بات نہ کریں اپنے اخلاق اور اعلیٰ کردار سے ان کو متاثر کریں پھر جب کچھ بے تکلفی ہو جائے اور آپ محسوس کریں کہ دینی باتیں ہو سکتی ہیں تو پہلے ان سے ان کے دینی عقائد سے متعلق دریافت کریں۔ وہ خوش ہوں گے۔ وہ بھی پھر آپ سے آپ کے دین سے متعلق ضرور پوچھیں گے تب آپ موثر انداز میں اپنا دین متعارف کرائیں۔ اور مناسب لٹریچر ان کو پڑھنے کے لئے دیں۔ انشاء اللہ برف دھیرے دھیرے ضرور پگھلے گی۔ کیونکہ یہ ہمارا ایمان ہے کہ اگر نیک نیتی سے اللہ کے دین کو پیش کیا جائے تو ضرور اللہ کی مدد اور نصرت شامل حال ہوگی۔

میں نے اپنے احباب سے عرض کیا کہ ۱۱ ستمبر کے بعد امریکہ میں خصوصاً اور دیگر ممالک میں عموماً اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت اور مخالفت پھیلانی جا رہی ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور یورپی ممالک میں یہودی منظم طور پر مسلمانوں کے خلاف تحریک چلا رہے ہیں۔ اگر آپ یہاں رہنا چاہتے ہیں اور اپنے بچوں کا مستقبل محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو یہاں کے لوگوں سے میل جول بڑھا کر کم از کم اپنے اعلیٰ اخلاق اور

کردار سے انہیں متاثر کریں تاکہ آپ کے جاننے والے مصیبت کے وقت آپ کو تحفظ فراہم کر سکیں۔ امریکہ کے لوگ بڑے کھلے ذہن کے حامل ہیں اور اگر بات کی جائے تو غور سے سنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الحمد للہ وہاں تیزی سے اسلام فروغ پا رہا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں نے نیویارک ٹائمز میں ایک سروے رپورٹ پڑھی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ امریکہ میں اسلام تیزی سے بڑھ رہا ہے اور لکھا تھا کہ اس صدی کے آخر تک مسلمان مذاہب کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر ہوں گے۔ الحمد للہ اب مسلمان امریکہ میں عیسائیوں کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں۔ بس اگر وہاں رہنے والے مسلمان اپنے اخلاق و کردار اور تبلیغ سے کوشش کریں تو کوئی تعجب نہیں کہ اس ملک میں مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے۔ جو اس فریضہ کی ادائیگی میں محنت کریں گے وہ نہ صرف وہاں محفوظ ہوں گے بلکہ رب العالمین کے فضل اور انعامات سے بھی فیضیاب ہوں گے۔

## ۱۰۔ فکرِ آخرت اور یوم الحساب

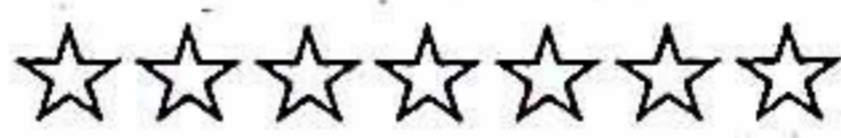
بے شمار مسائل، خطائیں، لغزشیں، تکالیف، دکھ اور درد ہیں کہ ان کا شمار کرنا اور ضبطِ تحریر میں لانا محال ہے۔ بس ہر مسلمان کو اپنے طور پر کوشش کرنا چاہئے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو، کسی کی حق تلفی نہ ہو خواہ وہ کتنی ہی معمولی حرکت سے ہو یا کسی بڑے گناہ سے ہو۔ کیونکہ کسی کا دل دکھانا ایسا ہی ہے جیسے کعبہ کو ڈھانا۔ دل بدست آرد کہ حج اکبر است۔ کسی مظلوم کی دل سے نکلی بددعا تیر کی طرح عرش پر پہنچتی ہے پھر ظالم پر عتابِ الہی نازل ہو کر رہتا ہے۔ لہذا ہمیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پیش نظر رکھنا

چاہئے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر اگر کوئی خطا ہو جائے یا کسی کے ساتھ زیادتی ہو جائے تو فوراً معافی طلب کرنا چاہئے اس شخص سے جس کی دل آزاری کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھی استغفار کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کے ساتھ زیادتی کو اس وقت تک معاف نہیں کرتے جب تک وہ مظلوم معاف نہ کر دے۔

جیسا کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ دنیاوی زندگی عارضی ہے اور دائمی زندگی بعد الموت ہے۔ رب کائنات کے حضور ہم سب کو پیش ہونا ہے اور وہاں سب کو اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا ملنی ہے۔ ہمیں بفضلِ تعالیٰ انشا اللہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی بشرطیکہ ہم نے دنیا میں اللہ اور نبی کریم کی اتباع کی ہو۔

بارگاہِ رب العزت میں سر بسجود ہو کر دست بآدعا ہوں کہ اے ربِ جلیل و قدیر ہم سب مسلمانوں کو عقلِ سلیم، چشمِ بینا، فہم و فراست، محبت اور صلہِ رحمی کی خصوصیات عطا فرماتا کہ ہم اپنے وسائل اور اختیارات کی حد تک آپ کے اور آپ کے محبوب نئی اور رسول محمد ﷺ کے احکامات اور ہدایت پر قولاً اور فعلاً عمل پیرا ہوں اور گاہے گاہے اپنا خود احتساب کرتے رہیں اور یوم الحساب آپ کے روبرو اصحابِ یمن کے ہمراہ اور حضور ﷺ کی شفاعت کے ساتھ پیش ہوں آپ کی رحمت و فضلِ عظیم کے طلب گار ہوں۔ اور آپ پوری امتِ محمدی ﷺ پر خصوصی رحم، کرم اور فضل فرما کر جنت الفردوس میں داخل فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

وآخردعونا الحمد للہ رب العالمین۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ہمارا ماضی اور حال

از

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہم سب ہی کچھ تھے مگر جبکہ مسلمان تھے ہم      پیرو دین نبیٰ حاملِ قرآن تھے ہم  
ہم میں اخلاقِ رسلِ جلوہ نما تھے جب تک      اسوۂ احمدِ مختار پہ قربان تھے ہم  
ایک در چھوڑ کے ہم ہو گئے لاکھوں کے غلام  
ہم نے آزادیِ عرفی کا نہ سوچا انجام  
دینِ فطرت پہ فدا حق کے پرستار تھے ہم      سب فضائل کے کمالات کے معیار تھے ہم  
نقل کرتی تھیں سب اقوام ہماری ہیبت      خزرِ عالم تھے کبھی غیرتِ اغیار تھے ہم  
آج افسوس کہ ہر قوم کے پامال ہیں ہم  
کبھی ہندو کبھی انگریز کے نقال ہیں ہم  
تھا کبھی ذوقِ عبادت کا مسلمانوں میں      اور سلیقہ تھا اطاعت کا کچھ انسانوں میں  
فکرِ دُنیا ہی فقط قبلہ مقصود نہ تھا      ذکرِ حق ساتھ تھا بازاروں میں دوکانوں میں  
ایک محفل تھی فرشتوں کی جو درخواست ہوئی  
اب ہر اک عیب و خطا اپنے لئے راست ہوئی

ہم میں وہ سیرتِ اسلاف و صورت نہ رہی کفر سے ہم کو وہ نفرت وہ کدورت نہ رہی  
ہے ہر ایک لغو کی دنیا میں ضرورت ہم کو مگر افسوس کہ سنت کی ضرورت نہ رہی

اب ہر اک عیب ہیں ہر رنگ ہیں ہر عار ہیں ہم

جو مرض ہی کو دوا سمجھے وہ بیمار ہیں ہم

چھوڑ کر اپنی روش ہم ہوئے جدت کے شکار نقد گم ہو گیا پایا نہیں موہوم ادھار

نقل غیروں کی اتاری تھی، وہ حاصل نہ ہوئی ہنس کی چال چلے اپنی بھولے رفتار

نہ وہ تقویٰ نہ وہ دیانت نہ وہ وضع اسلاف

نہ وہ سیرت نہ وہ صورت نہ وہ پچھلے اوصاف

اپنے ہاتھوں سے ہے واللہ یہ ذلت اپنی نہ سب اس کا ہے افلاس نہ قلت اپنی

غلطی ہے کہ کریں غیروں پر مسلم کا قیاس کہ نرالی ہے ہمیشہ سے یہ ملت اپنی

اپنی پستی و بلندی کا ہے معیار ہی اور

قوم مسلم کے ہمیشہ سے ہیں اطوار ہی اور



# اقتساب قتل پیر الحجاب

مفتی الاکرم سبزواری